زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

ماہنامہ اشراق

جون 2026ء

مدیر: سید منظور الحسن

اشراق آڈیو

مدیر آڈیو: محمد حسن الیاس

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

بسم الله الرحمن الرحيم

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

اشراق

ماہنامہ

جلد ۴ شمارہ ۶ جون ۲۰۲۶ء ذوالحج ۱۴۴۷ھ / محرم ۱۴۴۸ھ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

مدیر آڈیو اشراق: محمد حسن الیاس

معاون مدیر: شاہد محمود

مجلس تحریر:

ریحان احمد یوسفی، ڈاکٹر عمار خان ناصر، ڈاکٹر محمد عامر گزدر

ڈاکٹر عرفان شہزاد، محمد ذکوان ندوی، نعیم بلوچ

فہرست

شذرات

ناحق زیادتی کی حرمت — سید منظور الحسن — 3

خیارِ مجلس: حدیث اور فقہی تعبیرات — محمد حسن الیاس — 10

مقامات

اسلامی تہذیب — جاوید احمد غامدی — 15

قرآنیات

البیان: آل عمران 3: 186-200 (12) — جاوید احمد غامدی — 17

معارف نبوی

احادیث — محمد حسن الیاس — 21

آثارِ صحابہ

شہادت علی الناس کی ذمہ داری (20) — ڈاکٹر عمار خان ناصر — 23

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

دین و دانش

اسرا و معراج: تفہیم و تبیین جاوید احمد غامدی (11) — سید منظور الحسن — 32

نقد و نظر

صلاۃ التسبیح: فقہ و حدیث کی روشنی میں (8) — ڈاکٹر محمد عامر گزدر — 36

نقطۂ نظر

علاماتِ قیامت اور تاریخی واقعات: بائیبل اور قرآن کی روشنی میں (13) — محمد سعد سلیم — 41

مکالمات

مطالعۂ مسندِ احمد (9) — ڈاکٹر عمار خان ناصر / ڈاکٹر سید مطیع الرحمٰن — 47

سیر و سوانح

حیاتِ امین (33) — نعیم احمد بلوچ — 54

حالات و وقائع

خبر نامہ ”المورد امریکہ“ — شاہد محمود — 62

سید منظور الحسن

ناحق زیادتی کی حرمت

اللہ تعالیٰ نے اخلاقیات کے دائرے کی پانچ چیزوں ـــــ فواحش، حق تلفی، ناحق زیادتی، شرک اور بدعت ـــــ کو حرام قرار دیا ہے۔ سورۂ اعراف میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ. (33:7)

”کہہ دو، میرے پروردگار نے تو صرف فواحش کو حرام کیا ہے، خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے اور حق تلفی اور ناحق زیادتی کو حرام کیا ہے اور اِس کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیراؤ، جس کے لیے اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اِس کو کہ تم اللہ پر افترا کر کے کوئی ایسی بات کہو جسے تم نہیں جانتے۔“

اِن پانچ محرمات میں سے تیسری چیز بغی یعنی ناحق زیادتی ہے۔ ’بغی یبغی‘ کے لغوی معنی کسی چیز کی طلب میں حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے کے ہیں۔[1] یہ تجاوز جب دوسروں کے حقوق میں

---

[1] ’البَغْی: طلب تجاوز الاقتصاد فیما یتحرّی، تجاوزہ أم لم یتجاوزہ‘، ”بغی کے معنی کسی چیز کی طلب میں میانہ روی کی حد سے تجاوز کی خواہش کرنے کے ہیں، خواہ تجاوز کر سکے یا نہ۔“ (المفردات فی غریب

مداخلت اور اُن کی بجا آوری سے انحراف کی سطح تک جا پہنچے تو ظلم و زیادتی، سرکشی و بغاوت اور ضد اور ہٹ دھرمی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ قرآنِ مجید میں 'بَغْی' کا لفظ اِن تینوں پہلوؤں سے استعمال ہوا ہے۔

سورۂ شوریٰ میں یہ لفظ زیادتی کے مفہوم میں آیا ہے۔ صالحین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اول تو وہ مخالفین کی اشتعال انگیزی پر درگذر کرتے ہیں اور اگر کبھی جوابی اقدام کرتے ہیں تو بس اُسی وقت کرتے ہیں، جب اُن سے صریح زیادتی (بغی) کی جاتی ہے:

وَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ. (39:42)

''اور وہ کہ جو بدلہ اُس وقت لیتے ہیں، جب اُن پر زیادتی کی جائے۔''

اِسی زیادتی کے مفہوم میں یہ لفظ سورۂ حجرات میں بھی آیا ہے۔ مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ اگر اُن کے دو گروہوں میں سے ایک گروہ دوسرے کے ساتھ زیادتی کرے تو وہ زیادتی کرنے والے کے خلاف جنگ کریں:

وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا. (9:49)

''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر اُن میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرے، اُس سے جنگ کرو۔''

'بغی' کا لفظ سورۂ قصص میں سرکشی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ قارون کی سرکشی کو اِسی لفظ سے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى

''قارون موسیٰ کی قوم ہی میں سے

القرآن 136)

سورۂ بقرہ میں 'غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ' کے الفاظ اِسی مفہوم میں آئے ہیں۔ فرمایا ہے: ''اُس نے تو تمھارے لیے صرف مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام ٹھیرایا ہے۔ اِس پر بھی جو مجبور ہو جائے، اِس طرح کہ نہ چاہنے والا ہو، نہ حد سے بڑھنے والا تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ، یقیناً بخشنے والا ہے، وہ سراسر رحمت ہے۔'' (173:2)

عَلَيۡهِمۡ.(76:28) تھا، پھر وہ اُن کے خلاف سرکش ہو گیا۔"[2]

بنی اسرائیل سرکشی میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اُن کے اِس اخلاقی فساد کا سب سے بڑا ہدف اللہ کی شریعت تھی۔ اللہ نے اِس کی سزا کے طور پر اُن کے لیے بعض ایسی چیزوں کو حرام قرار دیا، جو اللہ کی شریعت میں اصلاً حرام نہیں تھیں۔ ناخن والے جانوروں کے گوشت اور گائے، بھیڑ، بکری کی چربی کو اِسی پہلو سے حرام ٹھہرایا گیا۔ قرآن نے سورۂ انعام میں جب مذکورہ پہلو سے اُن کی سرکشی کا ذکر فرمایا ہے تو اُس کے لیے 'بغی' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَ عَلَى الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا كُلَّ ذِىۡ ظُفُرٍ‌ ۚ وَ مِنَ الۡبَقَرِ وَ الۡغَنَمِ حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ شُحُوۡمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتۡ ظُهُوۡرُهُمَاۤ اَوِ الۡحَوَايَاۤ اَوۡ مَا اخۡتَلَطَ بِعَظۡمٍ‌ ؕ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِبَغۡيِهِمۡ‌ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ.(146:6)

"(یہ، البتہ ٹھیک ہے کہ) جن لوگوں نے یہودیت اختیار کر رکھی ہے، اُن پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گائے اور بھیڑ بکریوں کی چربی بھی حرام کر دی تھی، سوائے اُس کے جو اُن کی پیٹھ یا انتڑیوں سے لگی ہو یا کسی ہڈی سے لگی ہوئی رہ جائے۔ یہ ہم نے اُن کی سرکشی کی سزا اُنھیں دی تھی اور ہم بالکل سچے ہیں۔"

امام امین احسن اصلاحی نے اِس آیت کے الفاظ 'ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِبَغۡيِهِمۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ' کی وضاحت میں لکھا ہے:

---

[2] "(قارون کی) اِس (سرکشی) کا سبب یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کی پوری قوم نے موسیٰ علیہ السلام کی امامت و سیادت تسلیم کر لی اور اُن کے ساتھ ہجرت کر کے مصر سے نکل آئی۔ اِس سے اِس کو بڑا حسد ہوا اور اِس نے یہ نعرہ بلند کر دیا کہ اِس جماعت کا تو ہر آدمی مقدس ہے اور خدا کی معیت بھی پوری جماعت کو حاصل ہے، پھر موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کے لیے یہ امتیاز کیوں کہ وہ قوم کی امامت و پیشوائی کریں؟ چنانچہ اپنے خاندان اور عام بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگوں کو ساتھ ملا کر یہ اُن کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اِس کی یہی بغاوت ہے، جس کا ذکر قرآن نے 'فَبَغٰى عَلَيۡهِمۡ' کے الفاظ میں کیا ہے۔" (البیان 3/620)

”...(یہ) علی الاطلاق حرمت بنی اسرائیل پر اِس وجہ سے نہیں تھی کہ فی نفسہٖ اِن چیزوں کے اندر حرمت کی کوئی علت موجود ہے، بلکہ اِن کی حرمت میں اصل دخل بنی اسرائیل کے فسادِ مزاج کو تھا... اِس اخلاقی فساد کو قرآن نے 'بغی' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، جس کے معنی سرکشی کے ہیں۔ بنی اسرائیل کی اِس سرکشی کا ذکر تورات اور انبیا کے صحیفوں میں اِس کثرت سے آیا ہے کہ آدمی پڑھتے پڑھتے اکتا جاتا ہے۔ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے، جس کو اُنھوں نے بہ خوشی قبول کیا ہو۔ جو حکم بھی اُن کو دیا گیا، اول تو اُنھوں نے اپنے سوال در سوال کی کثرت ہی سے اُس کو نہایت بوجھل بنا لیا، جس کی ایک مثال سورۂ بقرہ میں گائے کے قصے میں گزر چکی ہے۔ پھر اُس کو مانا بھی تو اُس سے گریز و فرار کی اتنی راہیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے نکال لیں کہ عملاً وہ حکم اُن کے لیے بالکل بے اثر ہو کے رہ گیا۔ اُن کے اِس فرار پسندانہ اور باغیانہ مزاج کا اثر قدرتی طور پر اُن کی شریعت پر بھی پڑا۔ جس طرح کسی سرکش جانور کا مالک اُس کو سخت بندھنوں کے اندر رکھنے پر مجبور کرتا ہے یا سرکش رعایا کا حکمران سخت قوانین نافذ کرتا ہے، اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُن سرکشوں کو نہایت سخت قوانین میں باندھا، جن کو قرآن میں 'اصر و اغلال' یعنی بندھن اور طوق سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔“ (تدبر قرآن 3/ 192)

سرکشی تکبر پر مبنی ہوتی ہے، لہٰذا ضد اور عداوت کو جنم دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید کے بعض مقامات پر 'بَغْی' کا لفظ ضدم ضدا کے مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ خدا کے فیصلے کے مقابلے میں یہود کی ضد کو نمایاں کرنے کے لیے سورۂ بقرہ میں یہی لفظ اختیار فرمایا ہے:

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ. (90:2)

”کیا ہی بری ہے وہ چیز جس کے بدلے میں اِنھوں نے اپنے آپ کو بیچ دیا کہ محض اِس بات کی ضد میں کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے، اپنا فضل اتارے، یہ اُس چیز کا انکار کر دیں، جو اللہ نے اتاری ہے۔“

امام امین احسن اصلاحی اِس مقام پر ضد اور سرکشی کے باہمی تعلق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”...یہ وضاحت ہے اُس چیز کی، جس کو اُن لوگوں نے اختیار کیا، وہ یہ ہے کہ اُنھوں نے

اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب اور اُس کے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان لانے کے بجاے اُس کے انکار اور مخالفت کی راہ اختیار کی اور چونکہ انکار اور مخالفت کی یہ راہ دیدہ و دانستہ اختیار کی گئی، اِس وجہ سے اِس کا سبب اِس ضد اور عناد کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ اُن کو اللہ تعالیٰ پر غصہ تھا کہ اُس نے آخری دین اور آخری رسول کی نعمت سے بنی اسماعیل کو کیوں نوازا، خود اُن کے اندر سے کسی کو رسول کیوں نہیں بنایا؟ گویا اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے اجارہ دار یہی ہیں اور اِنھی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ بتائیں کہ وہ کس منصب کے لیے کس کو منتخب کرے اور کس کو منتخب نہ کرے۔ 'بغی' کے معنی یہاں ضد کے ہیں۔ یہ ضد اُن کی سرکشی اور اُن کے استکبار کا نتیجہ تھی۔''

(تدبر قرآن 1 / 271)

اِس تفصیل سے واضح ہے کہ لفظِ 'بغی' اخلاقی فساد کے اُن جرائم کے لیے مستعمل ہے، جو حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ناروا در اندازی پر مبنی ہوتے ہیں اور اپنے اظہار میں ضد، تکبر اور سرکشی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ استاذِ گرامی اِس لفظ کے معنی کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''اِس (بَغْی) کے معنی سرکشی اور تعدی کے ہیں۔ یعنی آدمی اپنی قوت، طاقت اور زور و اثر سے ناجائز فائدہ اٹھائے، حدود سے تجاوز کرے اور دوسروں کے حقوق پر، خواہ وہ حقوق خالق کے ہوں یا مخلوق کے، دست درازی کرنے کی کوشش کرے۔'' (میزان 208)

سورۂ اعراف کی مذکورہ آیت میں 'اَلْبَغْیَ' کے ساتھ 'بِغَیْرِ الْحَقِّ' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اِس سے مقصود جرم کی شناعت اور شر انگیزی کو نمایاں کرنا ہے۔ اِس سے یہ اخذ نہیں کرنا چاہیے کہ زیادتی اور سرکشی کی کوئی صورت مبنی بر حق بھی ہو سکتی ہے۔ استاذِ گرامی نے لکھا ہے:

''زیادتی کے ساتھ ناحق کا اضافہ اُس کے گھنونے پن کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی زیادتی برحق بھی ہوتی ہے۔ ہر زیادتی بجاے خود ناحق ہے۔ چنانچہ انبیا علیہم السلام کے قتل کے جرم کے ساتھ بھی یہ لفظ اِسی طرح استعمال ہوا ہے۔''

(البیان 2 / 149-150)

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر 'اثم'، یعنی ''حق تلفی'' اور 'بغی'، یعنی ''ناحق زیادتی'' کا تعلق حقوق ہی سے ہے تو پھر دونوں حرمتوں میں تفریق کیوں قائم کی گئی ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ دونوں حرمتوں میں واضح فرق ہے۔ اول الذکر حقوق کی خلاف ورزی کی ابتدائی صورت ہے اور ثانی الذکر اُس پر اضافہ ہے۔ یعنی واجب الادا حق کو ادا نہ کرنا ''حق تلفی'' ہے اور اُس حق کے

معاملے میں صاحبِ حق کے خلاف جارحانہ اقدام ”ناحق زیادتی“ ہے۔ اِس فرق کو والدین کے حقوق کی مثال سے بہ خوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ والدین کا حق ہے کہ اُن سے حسن سلوک کیا جائے۔ اولاد اگر ایسا نہیں کرتی تو گویا اُن کا حق ادا کرنے سے انکار کرتی ہے۔ یہ ”حق تلفی“ ہے۔ اب اِس سے آگے بڑھ کر اگر اولاد والدین سے بدتمیزی اور درشت خوئی کا رویہ اختیار کرتی ہے تو یہ محض ”حق تلفی“ کا جرم نہیں، بلکہ اُس پر مستزاد ”ناحق زیادتی“ کا جرم ہے۔ اِس کی شناعت، ظاہر ہے کہ حق تلفی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔

زیادتی و سرکشی: قرآن و حدیث میں مذکور بعض صورتیں

’اَلْبَغْیُ‘ کے معنی و مفہوم کی درجِ بالا تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی ہے کہ یہ لفظ اُن حرمتوں کی جامع تعبیر ہے، جو حدود سے باغیانہ تجاوز کو ظاہر کرتی ہیں۔ اِس کے دائرے میں وہ تمام ممنوعات شامل ہیں، جو زیادتی، سرکشی اور ضد پر مبنی ہیں۔ اِس کی نمایاں ترین صورتیں شرک اور افترا علی اللہ ہیں۔ اِن دونوں صورتوں کو اللہ تعالیٰ نے چوتھی اور پانچویں حرمت کے طور پر الگ سے متعین فرمایا ہے۔ اِس کا سبب، ظاہر ہے کہ اِن کی غیر معمولی شناعت ہے۔ اُنھیں یہاں بیان کرنے کے بجاے منفرد طور پر آگے بیان کیا جائے گا۔ یہاں اُن کے علاوہ قرآن و حدیث میں مذکور باقی نمایاں حرمتیں بیان کی جاتی ہیں:

مذہبی جبر،

فساد فی الارض،

قتل و جراحت،

خودکشی،

قذف،

دوسروں کا مال غصب کرنا،

چوری،

سود،

جوا،
قحبہ گری،
غرور و تکبر،
خلقی ساخت میں تبدیلی،
ظلم و زیادتی میں تعاون۔

محمد حسن الیاس

خیارِ مجلس: حدیث اور فقہی تعبیرات

بیع و شرا کے باب میں ہماری فقہی روایت کا ایک معروف مسئلہ ”خیارِ مجلس“ کے عنوان سے زیر بحث آیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب خرید و فروخت کا معاملہ ایجاب و قبول سے طے پا جائے تو کیا فریقین کو صرف اس بنا پر کہ وہ ابھی اسی مجلس میں موجود ہیں، سودا واپس لینے یا فسخ کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے؟

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت نقل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا:

البیعان بالخیار مالم یتفرقا. (بخاری، رقم 2108)

یعنی خریدنے اور بیچنے والے کو اختیار ہے، جب تک وہ جدا نہ ہو جائیں۔

اس روایت کے فہم میں فقہا کے ہاں دو بڑے رجحانات سامنے آئے ہیں۔

احناف اور مالکیہ کے نزدیک اس روایت میں ”تفرق“ سے مراد مجلس سے جسمانی جدائی نہیں، بلکہ قول و قرار کے مرحلے کا ختم ہو جانا ہے۔ ان کے نزدیک بیع ایجاب و قبول سے مکمل ہو جاتی ہے اور مکمل ہوتے ہی عقد لازم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد صرف یہ امر کہ دونوں فریق ابھی ایک ہی مجلس میں موجود ہیں، فسخ کے کسی مستقل شرعی حق کو ثابت نہیں کرتا۔

ان کا استدلال یہ ہے کہ عقد اپنی حقیقت میں لزوم کا تقاضا کرتا ہے۔ قرآن مجید نے ’اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ‘[1] کہہ کر معاہدوں کی پابندی کا حکم دیا ہے، اور ’تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ‘[2] کے تحت باہمی

---

[1] المائدہ 5:1۔

[2] النساء 4:29۔

رضامندی سے ہونے والی تجارت کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ جب فریقین رضامندی سے ایجاب و قبول کر لیتے ہیں تو بیع مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد محض مجلس کے باقی رہنے کو فسخ کے حق کی بنیاد بنانا لزومِ عقد کے اصول کے خلاف ہے۔

چنانچہ وہ حدیث کو اس کے ظاہری مفہوم میں مراد نہیں لیتے، بلکہ ''تفرق'' سے مراد معاملے کی گفتگو، بھاؤ تاؤ اور قول و قرار کے مرحلے کا ختم ہو جانا سمجھتے ہیں۔

دوسری طرف شوافع، حنابلہ اور جمہور فقہا کے نزدیک حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ کو اس وقت تک اختیار حاصل رہتا ہے جب تک وہ جسمانی طور پر ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں۔ ان کے نزدیک 'مالم یتفرقا' کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ جب تک دونوں مجلس میں موجود ہیں، بیع لازم نہیں ہوتی، بلکہ دونوں میں سے ہر ایک کو رجوع کا حق حاصل رہتا ہے۔

فقہا یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیث میں لفظ 'المتبایعان' آیا ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے درمیان بیع ہو چکی ہے، نہ کہ وہ جو ابھی صرف بھاؤ تاؤ کر رہے ہیں۔ اگر معاملہ ابھی طے ہی نہیں ہوا تو انھیں 'متبایعان' نہیں، بلکہ 'متساومان'، یعنی بھاؤ تاؤ کرنے والے کہا جائے گا۔

لہٰذا حدیث کا تعلق بیع کے بعد کے مرحلے سے ہے اور اس کا مدعا یہ ہے کہ عقد ہو جانے کے باوجود مجلس کے اختتام تک دونوں فریقوں کو اختیار باقی رہتا ہے۔ اس بنا پر جمہور کے نزدیک خیارِ مجلس بیع کے باب میں ایک مستقل شرعی حق ہے۔

غامدی صاحب کا نقطۂ نظر اس بحث میں ایک تیسرا زاویہ فراہم کرتا ہے۔ ان کے نزدیک اس روایت کو محض اس لفظی و منطقی بحث تک محدود کر دینا درست نہیں کہ ''تفرق'' سے مراد جسمانی جدائی ہے یا معاملے کی گفتگو اور قول و قرار کا خاتمہ اور نہ اس فقہی نکتے تک کہ ایجاب و قبول کے بعد عقد مکمل ہو جاتا ہے۔ اصل سوال اس سے آگے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع و شرا کے باب میں یہ ہدایت کس مقصد کے تحت فرمائی اور یہ دین کی کن اصولی ہدایات کا اطلاق و بیان ہے؟

یہ سوال اس لیے اہم ہے کہ معاملات کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو محض ان کی ظاہری صورتوں تک محدود کر کے نہیں سمجھا جا سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے مواقع پر شریعت کے عمومی اصولوں کو پیش آمدہ عملی حالات پر منطبق فرماتے ہیں۔ اس اطلاق میں اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ لین دین شفافیت، وضاحت، عدل اور خیر خواہی پر قائم ہو

اور معاملات میں فساد، نزاع یا غیر منصفانہ نقصان کا کوئی راستہ باقی نہ رہے۔

اسی پس منظر میں آپ نے بیع و شرا، مزارعت، مخابرہ اور بٹائی کی بعض صورتوں سے منع فرمایا۔ بہ ظاہر یہ چند متعین صورتوں کی ممانعتیں ہیں، لیکن انھیں محض تاریخی یا جزوی احکام کی فہرست کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے۔ یہ دراصل قواعد عامہ کی روشنی میں فقہی اطلاقات ہیں۔ یعنی معاملے کی نوعیت واضح ہو، فریقین کے حقوق متعین ہوں اور کوئی ایسا ابہام باقی نہ رہے جو بعد میں اختلاف یا نقصان کا سبب بنے۔

غور کیا جائے تو ان نواہی کے پس منظر میں اصل علت ضرر، غرر، ابہام، نزاع کا امکان یا کسی ایک فریق کا غیر متوازن نقصان ہے۔ اس لیے ممانعت کا تعلق محض صورت سے نہیں، بلکہ اس صورت میں پائی جانے والی خرابی سے ہے۔ جہاں حالات و شرائط کے بدلنے سے یہ علت باقی نہ رہے، وہاں ممانعت بھی باقی نہیں رہتی اور جہاں کسی نئی معاشی صورت میں یہی علت پیدا ہو جائے، وہاں محض اس کے نئے ہونے سے اس کی اباحت ثابت نہیں ہوتی۔

مثال کے طور پر ایسی بیع جس میں مال ابھی تیار نہ ہوا ہو، اس وقت تک ممنوع ہے جب تک معاملہ معین ماپ، معین تول اور معین مدت کے ساتھ واضح نہ کر دیا جائے۔ اس ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ، دونوں کو معلوم ہو کہ معاملہ کس چیز پر، کس مقدار میں، کس وقت کے لیے اور کن شرائط کے تحت ہو رہا ہے۔

اسی طرح بٹائی کی وہ صورتیں ممنوع قرار پائیں جن میں زمین کے کسی خاص حصے کی پیداوار مالک کے لیے مخصوص کر دی جائے، کیونکہ اس میں یہ امکان رہتا ہے کہ پیداوار ایک حصے میں ہو اور دوسرے میں نہ ہو اور یوں ایک فریق غیر منصفانہ نقصان اٹھائے یا نزاع پیدا ہو جائے۔

غیر منقسم جایداد کی بیع میں بھی شریکوں کے حق کو نظر انداز کرنے سے روکا گیا، الّا یہ کہ حدود متعین ہو جائیں اور راستے الگ کر دیے جائیں، تاکہ حق، ملکیت اور تصرف کی صورت واضح ہو جائے۔

یہ مثالیں واضح کرتی ہیں کہ اصل فیصلہ معاملے کے ظاہری عنوان سے نہیں، بلکہ اس کے اندر پائی جانے والی علت، اثر اور نتیجے سے متعلق ہو گا۔ یہی اصول تمدن کے ارتقا سے پیدا ہونے والی نئی معاشی صورتوں پر بھی لاگو ہو گا کہ اگر ان میں ضرر، غرر، ابہام یا نزاع کی وہی علت پائی

جائے تو محض ان کا نیا ہونا انھیں جائز نہیں بنا دے گا اور اگر کسی قدیم ممنوع صورت میں حالات کے بدلنے سے وہ علت باقی نہ رہے تو ممانعت بھی باقی نہیں رہے گی۔

اسی اصول پر حدیث 'البیعان بالخیار ما لم یتفرقا' کو بھی سمجھنا چاہیے۔ غامدی صاحب کے نزدیک اس روایت کا مدعا یہ نہیں ہے کہ شریعت نے ہر بیع میں، ہر حال میں، مجلس کے اختتام تک ایک مستقل قانونی خیار مقرر کر دیا ہے۔ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اُس وقت کے عرف میں خرید و فروخت کو جلد بازی، فوری ندامت، عدم اطمینان اور بعد کے نزاع سے محفوظ رکھا جائے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی نفسیات اور معاملات کے عملی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ رہنمائی فرمائی کہ جب تک معاملہ اسی گفتگو اور مجلس کے دائرے میں ہے، فریقین ایک دوسرے کے لیے گنجایش رکھیں۔

یہی دراصل فقہ النبی ہے کہ شریعت کے عمومی اصولوں کو ایک عملی صورت پر اس طرح منطبق کرنا کہ معاملہ محض الفاظ کی قانونی گرفت نہ بن جائے، بلکہ اس میں موافقت، وضاحت، رفع نزاع، سدِ ذرائع اور ضرر و غرر سے تحفظ کا مقصد حاصل ہو۔ چنانچہ اگر سودا ہوتے ہی کسی فریق کو اپنی غلطی، تردد یا عدم اطمینان کا احساس ہو تو دوسرا فریق اسے فوراً پابند کر کے نزاع، ضرر اور بد اعتمادی کا سبب نہ بنے، بلکہ خیر خواہی اور سہولت کا رویہ اختیار کرے۔

یہیں سے شریعت اور فقہ کا فرق بھی واضح ہوتا ہے۔ شریعت اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مستقل احکام کا نام ہے، جب کہ فقہ ان احکام کے فہم، شرح اور عملی اطلاق سے متعلق ہے۔ حدیث کا دائرہ بھی یہی ہے کہ وہ قرآن و سنت میں محصور دین کی تفہیم و تبیین اور اس پر عمل کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو بیان کرتی ہے۔ اس میں کہیں آپ دین کے اصولوں کی شرح فرماتے ہیں، کہیں ان کا عملی اطلاق کرتے ہیں، کہیں نزاع کا فیصلہ فرماتے ہیں اور کہیں حالات کے لحاظ سے کوئی انتظامی تدبیر اختیار فرماتے ہیں۔ اس لیے روایت کو سمجھتے ہوئے صرف الفاظ کے ظاہری مفہوم پر اکتفا نہیں کیا جاتا، بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ارشاد کس اصول کے تحت، کس موقع پر، کس علت اور کس مقصد کے لیے صادر ہوا ہے۔

چنانچہ اگر کسی معاشرے کا عرف، کوئی تحریری معاہدہ، کوئی تجارتی ضابطہ یا ریاستی قانون بیع کے لزوم، واپسی، منسوخی یا کسی مخصوص مہلت کے بارے میں واضح صورت مقرر کر دے تو

معاملہ اسی کے مطابق ہو گا۔

حدیث کا مدعا تمام زمانوں اور تمام تجارتی صورتوں کو ایک ہی قالب میں بند کرنا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ مسلمان کے معاملات میں محض قانونی مطالبے کے بجاے اخلاقی مروت، تنگی کے بجاے سہولت اور خود غرضی کے بجاے خیر خواہی غالب رہے۔

جاوید احمد غامدی

اسلامی تہذیب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جو تہذیب دنیا میں پیدا ہوئی، اُس کی بنیادی قدر عبودیت تھی۔ اِس کے معنی یہ تھے کہ معاشرہ خدا پر ایمان اور اُس کے ساتھ بندگی کے تعلق کو محور و مرکز کی حیثیت دیتا اور زندگی کے تمام معاملات کو اِسی محور سے متعلق کرتا ہے۔ آزادی اُس میں بھی ایک بڑی قدر تھی، لیکن وہ بندگی سے آزاد نہیں تھی۔ اِس تہذیب کے اخلاقی تصورات میں کوئی ابہام نہ تھا۔ وہ خدا کے الہام سے تصویب حاصل کرتے تھے۔ اِس کے شاعر، ادیب، فلسفی، حکیم، سائنس دان اور ارباب سیاست، سب اِس معاملے میں بالکل واضح تھے اور اپنے نتائج فکر بالعموم اِسی حوالے سے پیش کرتے تھے۔ چنانچہ اِس سے جو تہذیبی روایت قائم ہوئی اور کم و بیش ایک ہزار سال تک مسلمانوں کے اجتماعی وجود کا احاطہ کیے رہی، اُس کے عناصر یہ تین تھے:

ایک حفظ فروج،

دوسرے حفظ مراتب،

تیسرے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

حفظ فروج کے معنی یہ تھے کہ لوگوں کو اِس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ معاشرے میں بدکاری کو عام کریں، مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے علانیہ جنسی تعلقات پیدا کریں، اِسی تعلق کی بنا پر اکٹھے رہیں یا جنسی اعضا اور جنسی معاملات دوسروں کے سامنے کھولیں۔

حفظ مراتب کے معنی یہ تھے کہ خلقت کے لحاظ سے تمام انسان، بے شک برابر ہیں، مگر رشتوں میں برابری نہیں ہے۔ چھوٹوں کے لیے بڑے، اولاد کے لیے والدین، شاگردوں کے لیے استاد اور بیوی کے لیے شوہر برتری کے مقام پر ہیں۔ اِن کے لیے تادیب و تنبیہ کا حق مانا جائے گا اور اِن کی عزت اور اِن کا احترام ہر حال میں قائم رکھا جائے گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معنی یہ تھے کہ معاشرہ خیر و شر کے مسلمات سے بے تعلق نہیں رہے گا۔ انسانی فطرت میں جو چیزیں خیر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور جنھیں پوری انسانیت مانتی ہے، اُن کی تلقین کی جائے گی، اور جن چیزوں کو فطرت شر سمجھتی اور پوری انسانیت جن سے نفرت کرتی ہے، اُن سے لوگوں کو ہر حال میں روکا جائے گا۔

یہ تہذیبی روایت انسانیت کا حسن اور اُس کے چہرے کا جمال تھی۔ اِس کا زوال انسانیت کا زوال ہے۔ انسانی حقوق، جمہوریت اور قانون کی حکمرانی کے لیے دور جدید کا انسان جتنا حساس ہے، اے کاش وہ اِس روایت کی بازیافت کے لیے بھی اتنا ہی حساس ہو جائے۔

[2008ء]

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آل عمران

(12)

لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ ۟ وَ لَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ مِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اَذًی کَثِیۡرًا ؕ وَ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۸۶﴾ وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَکۡتُمُوۡنَہٗ فَنَبَذُوۡہُ وَرَآءَ ظُہُوۡرِہِمۡ وَ اشۡتَرَوۡا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ فَبِئۡسَ مَا یَشۡتَرُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اَتَوۡا وَّ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ یُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ یَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّہُمۡ بِمَفَازَۃٍ مِّنَ الۡعَذَابِ ۚ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَ لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۸۹﴾

(ایمان والو)، تمھارے جان و مال میں تمھاری آزمایش تو ہر حال میں ہونی ہے اور اُن لوگوں کی طرف سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور اُن لوگوں کی طرف سے جنھوں نے شرک کیا ہے، تمھیں بہت سی تکلیف دہ باتیں بھی سننا پڑیں گی۔ البتہ، اگر تم ثابت قدم رہے اور تم نے تقویٰ اختیار کیے رکھا تو خدا تمھاری مدد کرے گا، اِس لیے کہ یہی وہ کام ہیں جو (اِس کے لیے) ضروری قرار دیے گئے ہیں۔ اور اُن لوگوں کو جنھیں کتاب دی گئی، اُن کا وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے اُن سے لیا تھا کہ تم لوگوں کے سامنے اِس کتاب کو لازماً بیان کرو گے اور اِسے ہرگز نہ چھپاؤ گے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۟ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

پھر اُنھوں نے اِسے پس پشت ڈال دیا اور اِس کے بدلے میں بہت تھوڑی قیمت لے لی۔ سو کیا ہی بری ہے وہ چیز جسے یہ خرید لائے ہیں۔ تم اُن لوگوں کو ہرگز عذاب سے بری نہ سمجھو جو اپنے اِن کرتوتوں پر مگن ہیں اور ایسے کاموں پر اپنی تعریف چاہتے ہیں جو اُنھوں نے کیے نہیں ہیں، بلکہ اُن کے لیے ایک دردناک سزا تیار ہے۔ (وہ اِس سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے، اِس لیے کہ) زمین اور آسمانوں کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ 186-189

(یہ عقل کے اندھے ہیں، اِس لیے پیغمبر پر ایمان کے لیے نشانی مانگتے ہیں، ورنہ) حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں کے بنانے میں اور دن اور رات کے باری باری آنے میں اُن لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو بصیرت والے ہیں۔ اُن کے لیے جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے اور زمین اور آسمانوں کی خِلقت میں غور کرتے رہتے ہیں۔ (اُن کی دعا یہ ہوتی ہے کہ) پروردگار، تو نے یہ سب بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تو اِس سے پاک ہے کہ مقصد کے بغیر کوئی کام کرے۔ سو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ پروردگار، تو نے جسے دوزخ میں ڈالا، اُسے درحقیقت بڑی رسوائی میں ڈال دیا اور (وہ ایسی جگہ ہے کہ) ظالموں کا وہاں کوئی مددگار نہ ہوگا۔ پروردگار، ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا کہ (لوگو)، اپنے پروردگار کو مانو تو ہم نے مان لیا۔ اب تو ہمارے گناہوں کو بخش دے، اے مالک۔ ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں اپنے وفادار بندوں کے ساتھ موت دے۔ پروردگار،

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾

اپنے رسولوں کی زبان سے جو وعدے تو نے ہم سے کیے ہیں، وہ ہمارے لیے پورے کر دے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کر۔ بے شک، تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔190-194

سو اُن کے پروردگار نے اُن کی یہ دعا اِس طرح قبول فرمائی کہ مرد ہو یا عورت، میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا کوئی عمل ضائع نہ کروں گا۔ تم سب آپس میں ایک ہی ہو۔ لہٰذا جنھوں نے ہجرت کی ہے اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں اور میری راہ میں ستائے گئے اور (میرے لیے) لڑے اور مارے گئے ہیں، اُن کے گناہ میں اُن سے دور کر دوں گا اور اُن کو ضرور ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ اللہ کے ہاں سے اُن کی جزا ہے اور بہترین جزا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔195

اِس ملک کے شہروں میں منکروں کی یہ چلت پھرت تمھیں کسی مغالطے میں نہ ڈالے، (اے پیغمبر)۔ یہ تھوڑا سا لطف ہے، پھر اِن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔ اِس کے برخلاف جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے، اُن کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کے ہاں سے اُن کے لیے مہمانی ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، اُس کے وفادار بندوں کے لیے وہ کہیں بہتر ہے۔196-198

(اِن وفادار بندوں سے اہل کتاب بھی خالی نہیں ہیں)۔ یہ حقیقت ہے کہ اِن اہل کتاب میں ایسے بھی ہیں جو خدا پر سچا ایمان رکھتے ہیں، اُس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو تمھاری طرف نازل کی گئی ہے اور اُس پر بھی جو (اِس سے پہلے) اُن کی طرف نازل کی گئی تھی، اللہ سے ڈرتے ہوئے۔ وہ اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر بیچ نہیں دیتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے اُن کا اجر اُن کے پروردگار کے پاس ہے۔ (وہ بہت جلد اُنھیں مل جائے گا)، اِس لیے کہ اللہ حساب چکانے میں دیر نہیں لگاتا۔199

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

ایمان والو، (آخری فتح تمھاری ہو گی، لیکن اِس کے لیے ضروری ہے کہ) صبر کرو، اپنے حریفوں کے مقابلے میں پامردی دکھاؤ، مقابلے کے لیے تیار رہو اور (تمام معاملات میں) اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ کامیاب رہو۔200

ترجمہ و تحقیق: محمد حسن الیاس

— 1 —

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے شراب پی اور پی کر مدہوش ہو گیا، اُس کی نماز چالیس روز تک قبول نہیں کی جائے گی اور اِسی حالت میں مر گیا تو دوزخ میں جائے گا۔ البتہ، اگر اُس نے توبہ کر لی تو اللہ مہربانی فرمائے گا اور اُس کو معاف کر دے گا۔ اُس نے پھر یہی کیا اور شراب پی کر مدہوش ہو گیا تو اُس کی نماز چالیس روز تک قبول نہیں کی جائے گی اور اِسی حالت میں مر گیا تو دوزخ میں جائے گا۔ البتہ، اگر اُس نے توبہ کر لی تو اللہ مہربانی فرمائے گا اور اُس کو معاف کر دے گا۔ اُس نے پھر شراب پی لی اور نشے سے مدہوش ہو گیا تو اُس کی نماز چالیس روز تک قبول نہیں کی جائے گی اور اِسی حالت میں مر گیا تو دوزخ میں جائے گا۔ البتہ، اگر اُس نے توبہ کر لی تو اللہ مہربانی فرمائے گا اور اُس کو معاف کر دے گا۔ لیکن اِس کے بعد اُس نے پھر یہی کیا تو اللہ پر لازم ہے کہ قیامت کے دن اُس کو ہلاکت کی کیچڑ پلا دے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ، یہ ہلاکت کی کیچڑ کیا چیز ہے؟ فرمایا: دوزخیوں کا خون اور اُن کی پیپ۔ (سنن ابن ماجہ، رقم 3376)

—2 —

سالم بن عبد اللہ اپنے والد عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دن ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور صحابہ میں سے کچھ دوسرے لوگ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور اِس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ سب سے

بڑا گناہ کون سا ہے؟ اُن میں کسی کے پاس اِس معاملے میں کوئی ایسا علم نہیں تھا کہ حتمی فیصلے کے لیے وہ اُس کی مراجعت کر سکیں۔ اِس پر اُنھوں نے مجھے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ میں اِس موضوع کے بارے میں اُن سے کچھ معلوم کروں۔ چنانچہ میں اُن کے پاس گیا اور اُن سے پوچھا تو اُنھوں نے مجھے بتایا کہ اُن کے نزدیک سب سے بڑا گناہ شراب نوشی ہے۔ میں نے یہ بات واپس آ کر اِن حضرات کو بتائی تو اُنھوں نے مان کر نہیں دیا اور سب کے سب عبد اللہ بن عمرو کی طرف لپکے اور اُن کے گھر جا پہنچے۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اُنھیں بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے کسی شخص کو گرفتار کیا اور اُس سے تقاضا کیا کہ اپنی جان بخشی کے لیے وہ یا شراب پیے گا یا ایک بچے کو قتل کرے گا یا زنا کرے گا یا خنزیر کا گوشت کھائے گا، اور اُس نے اگر اِن میں سے کوئی کام نہ کیا تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ اُس شخص نے بہ ظاہر کم تر درجے کی برائی سمجھ کر شراب پینے کو اختیار کیا، لیکن جب شراب پی تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور وہ سارے گناہ کر گزرا جو وہ لوگ اُس سے کرانا چاہتے تھے۔ پھر مزید یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم سے کہا تھا کہ کوئی ایسا شخص نہیں کہ شراب پیے اور اللہ اِس کے باوجود چالیس روز تک اُس کی نماز قبول کرتا رہے اور اُس کے مثانے میں کوئی نشے کی چیز ہو اور وہ مر جائے تو اُس پر جنت اِسی بنا پر حرام نہ کر دی جائے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ پھر اگر وہ چالیسویں دن مر گیا تو اُس کی موت جاہلیت پر ہو گی۔ (مستدرک حاکم، رقم 7301)

— 3 —

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی تو میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو وہاں اِس حال میں دیکھا کہ اپنی آنت گھسیٹتا پھر رہا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس نے سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے عہد کو بدل ڈالا اور جانور کو سائبہ کرنے کی رسم ڈالی۔ (بخاری، رقم 4282)

تفہیم الآثار

ڈاکٹر عمار خان ناصر

شہادت علی الناس کی ذمہ داری

(20)

(1)

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِنَّا لَنَجِدُ صِفَةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ: إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا، وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ، أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي، سَمَّيْتُهُ الْمُتَوَكِّلَ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ، وَلَا صَخَّابٍ بِالْأَسْوَاقِ، وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ مِثْلَهَا، وَلَكِنْ يَعْفُو وَيَتَجَاوَزُ، وَلَنْ أَقْبِضَهُ حَتَّى يُقِيمَ الْمِلَّةَ الْمُتَعَوِّجَةَ بِأَنْ يَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، نَفْتَحُ بِهِ أَعْيُنًا عُمْيًا وَآذَانًا صُمًّا وَقُلُوبًا غُلْفًا. قَالَ عَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ: وَأَخْبَرَنِي أَبُو وَاقِدٍ اللَّيْثِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ كَعْبًا يَقُولُ مِثْلَ مَا قَالَ ابْنُ سَلَامٍ.

(سنن الدارمی، رقم 3439)

”عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ہم (انبیا کے صحائف میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اوصاف پاتے ہیں: ہم نے تمھیں گواہی دینے والا، خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، اور امیوں کی حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے۔ تم میرے بندے اور میرے رسول ہو۔ میں نے اپنے بندے کا نام ’متوکل‘ رکھا ہے۔ وہ نہ سخت مزاج ہے، نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے۔ وہ برائی کا بدلہ برائی سے

نہیں دیتا، بلکہ معاف کر دیتا اور در گذر سے کام لیتا ہے۔ اور میں اس کو اس وقت تک (دنیا سے) نہیں اُٹھاؤں گا جب تک وہ کج رَو ملت کو سیدھا نہ کر دے کہ اس بات کی گواہی دی جانے لگے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اس کے ذریعے سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھول دیں گے۔ عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ مجھے ابو واقِد لیثی نے بتایا کہ انھوں نے کعب الاحبار سے بھی یہی اوصاف سنے جو عبداللہ بن سلام نے بیان کیے ہیں۔"

لغوی تشریح

'حِرْز': کسی چیز کا حصار، حفاظت کا ذریعہ۔

'فَظٍّ': تند خو، بد مزاج۔

'غُلْفًا': اغلف کی جمع ہے، یعنی جس پر پردہ چڑھا ہو۔

شرح و وضاحت

1۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم یعنی بنی اسمٰعیل کتاب الٰہی کی نعمت سے محروم اور انبیا کے ذریعے سے نبوت و رسالت سے ناآشنا تھی (یٰس 36:6۔ الانعام 6:156)۔ اسی تناظر میں قرآن مجید میں ان کے لیے 'امیین' کی تعبیر اختیار کی گئی (آل عمران 3:20۔ الجمعہ 62:2)۔ اور ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر احسان و امتنان کے پہلو سے کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ آپ کو اللہ کی طرف سے اپنی قوم پر شاہد بنا کر بھیجا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ دنیا میں بھی اپنی قوم کے سامنے اللہ کے دین کی شہادت دینے پر مامور ہیں اور اسی بنیاد پر آخرت میں بھی اللہ کی بارگاہ میں ان کے بارے میں اپنی گواہی پیش کریں گے (البقرہ 2: 143۔ النساء 4:41۔ النحل 16:89۔ الاحزاب 33:45۔ الفتح 48:8۔ المزمل 73:15)۔ سورۂ احزاب میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا. (45:33)

"اے نبی، ہم نے تمھیں (دین کی) گواہی دینے والا اور بشارت سنانے والا اور

(عذاب سے) آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

یہاں 'شَاهِدًا' کی تعبیر صرف پیغام پہنچا دینے کے معنی میں نہیں، بلکہ اتمام حجت کے درجے میں لوگوں پر حق کو واضح کر دینے کے مفہوم میں ہے جس کے بعد ان کے پاس انکار کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ ابن عاشور نے اس کا مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

ارسلناك فی حال أنك تشهد علی الامة بالتبليغ بحيث لا يعذر المخالفون عن شريعتك فيما خالفوا فيه، وتشهد علی الامم، وهذه الشهادة حاصلة فی الدنيا وفی يوم القيامة.(التحریر والتنویر 26/155)

"ہم نے آپ کو اس حیثیت سے مبعوث کیا ہے کہ آپ اس امت کو دین پہنچا کر اس طرح گواہ بن جائیں کہ جو لوگ آپ کی شریعت کی مخالفت کریں، ان کے لیے اختلاف میں کوئی عذر باقی نہ رہے، اور آپ دوسری امتوں پر بھی گواہ بنیں۔ یہ گواہی دنیا میں بھی ہے اور قیامت کے دن بھی ہو گی۔"

2۔ زیر بحث اثر میں عبد اللہ بن سلام اور کعب الاحبار نے صحائف انبیا کی روشنی میں بعثت نبوی کے اسی پہلو کو 'حِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ' اور 'يُقِيمَ الْمِلَّةَ الْمُتَعَوِّجَةَ بِأَنْ يَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ' کی تعبیرات سے واضح کیا ہے۔ اثر میں جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے زیادہ تر کا ذکر یسعیاہ نبی کے صحیفے میں متفرق مقامات پر ہوا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر ہے:

"دیکھو تمھارا خدا آئے گا اور تمھارے دشمنوں کو جو انھوں نے کیا ہے، اس کی سزا دے گا۔ وہ یقیناً آئے گا اور تمھیں جزا دے گا اور تمھاری حفاظت کرے گا۔ پھر تو اندھے دیکھنے لگیں گے، ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اور بہرے سن سکیں گے اور ان کے کان کھل جائیں گے۔... اس وقت وہاں ایک راہ بن جائے گی اور اس شاہراہ کا نام ہو گا "مقدس راہ"۔ اس راہ پر ناپاک لوگوں کو چلنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ کوئی بھی احمق اس راہ پر نہیں چلے گا۔ صرف خدا کے مقدس لوگ ہی اس پر چلا کریں گے۔" (35:4-8)

دوسرے مقام پر ہے:

"میرے خادم کو دیکھو! وہی ایک ہے جس کی میں حمایت کرتا ہوں۔ میں نے اس کو چنا تھا۔

میں اس سے نہایت خوش ہوں۔ میں نے اپنی روح اس پر ڈالی۔ وہ قوموں میں انصاف جاری کرے گا۔ وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ ہی بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی۔ وہ باوقار ہو گا۔ کچلی ہوئی گھاس کے تنکے تک کو وہ نہیں روندے گا۔ وہ ٹمٹماتی بتی تک کو نہیں بجھائے گا۔ وہ سچ مچ میں انصاف لائے گا۔ وہ نہ ماند پڑے گا اور نہ ہی کچلا جائے گا، جب تک کہ وہ انصاف کو زمین پر قائم نہ کر لے۔ جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے۔" (42:1-4)

ایک اور مقام پر ہے:

"کان لگاؤ اور میرے پاس آؤ۔ سنو اور تمھاری جان زندہ رہے گی اور میں تم کو ابدی عہد یعنی داؤد کی سچی نعمتیں بخشوں گا۔ دیکھو، میں نے اسے امتوں کے لیے گواہ مقرر کیا، بلکہ امتوں کا پیشوا اور فرماں روا۔ دیکھ تو ایک ایسی قوم کو جسے تو نہیں جانتا، بلائے گا اور ایک ایسی قوم جو تجھے نہیں جانتی تھی، خداوند تیرے خدا اور اسرائیل کے قدوس کی خاطر تیرے پاس دوڑی آئے گی کیونکہ اس نے تجھے جلال بخشا ہے۔" (55:3-5)

یسعیاہ نبی کے صحیفے میں یہ پیشین گوئیاں سیاق کلام کے لحاظ سے خدا کے خادم کے حوالے سے بیان ہوئی ہیں جو بائیبل میں بنی اسرائیل کے لیے اختیار کی گئی تعبیر ہے۔ زیر بحث اثر میں علماے اہل کتاب نے ان اوصاف کو امیین عرب میں مبعوث کیے جانے والے نبی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسے نبی کی بعثت کا وعدہ جو دعوت توحید کو اقصاے عالم تک پہنچا دے، ایک مشروط وعدہ تھا جس کی تکمیل بنی اسرائیل کی طرف سے بہ حیثیت قوم اپنے عہد پر قائم رہنے پر موقوف تھی۔ تاہم بنی اسرائیل اس عہد پر قائم نہیں رہ سکے اور ان کی تاریخ میں اس وعدے کا ظہور بھی نہیں ہوا۔ پھر جب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پیشین گوئیوں کی تکمیل امیین عرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعے سے کرنے کا فیصلہ فرمایا تو آلاً آپ اور آپ کی قوم ہی ان کا مصداق قرار پائے۔ علماے اہل کتاب اسی تناظر میں اپنی سینہ بہ سینہ چلی آنے والی روایات کی روشنی میں صحیفۂ یسعیاہ اور دیگر صحائف میں مذکور اوصاف کا مصداق نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو قرار دیتے تھے۔

3۔ قرآن مجید میں تورات کا عنوان اس کتاب کے لیے آیا ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی، تاہم احادیث و آثار میں تورات کی تعبیر کافی وسیع مفہوم میں استعمال ہوتی ہے اور

اس کا اطلاق بائیبل کے دیگر صحائف کے علاوہ یہودی دینی لٹریچر مثلاً مشنا اور تالمود وغیرہ پر بھی کر دیا جاتا ہے۔ زیر بحث اثر بھی اسی کی مثال ہے۔

(2)

أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَأَبُوبَكْرٍ بِالسُّنْحِ - قَالَ إِسْمَاعِيلُ: يَعْنِي بِالعَالِيَةِ - فَقَامَ عُمَرُ يَقُولُ: وَاللهِ مَا مَاتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: وَقَالَ عُمَرُ: وَاللهِ مَا كَانَ يَقَعُ فِي نَفْسِي إِلَّا ذَاكَ، وَلَيَبْعَثَنَّهُ اللهُ فَلَيَقْطَعَنَّ أَيْدِيَ رِجَالٍ وَأَرْجُلَهُمْ، فَجَاءَ أَبُوبَكْرٍ فَكَشَفَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَّلَهُ، قَالَ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لاَ يُذِيقُكَ اللهُ المَوْتَتَيْنِ أَبَدًا، ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ: أَيُّهَا الحَالِفُ عَلَى رِسْلِكَ، فَلَمَّا تَكَلَّمَ أَبُوبَكْرٍ جَلَسَ عُمَرُ، فَحَمِدَ اللهَ أَبُوبَكْرٍ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، وَقَالَ: أَلاَ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لاَ يَمُوتُ، وَقَالَ: إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ، وَقَالَ: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللهُ الشَّاكِرِينَ، قَالَ: فَنَشَجَ النَّاسُ يَبْكُونَ.

(بخاری، رقم 3500)

”عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ اس وقت مقام سنح میں تھے۔ راوی اسمٰعیل نے کہا کہ مقام سنح مدینہ کی بالائی جانب میں واقع ہے۔ یہ خبر سن کر عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اللہ کی قسم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی۔ سیدہ عائشہ کہتی ہیں کہ (بعد میں) عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اللہ کی قسم، اس وقت میرے دل میں یہی خیال آتا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ آپ کو ضرور دوبارہ اٹھائے گا اور آپ ان لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں گے (جو کہہ رہے ہیں کہ آپ کی وفات ہو گئی ہے)۔ اتنے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور اندر جا کر آپ کی نعش مبارک کے اوپر سے کپڑا اٹھایا اور بوسہ دیا اور کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ

زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ پر دو مرتبہ موت ہرگز طاری نہیں کرے گا۔ اس کے بعد وہ باہر آئے اور عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: اے قسم کھانے والے، ذرا ٹھہرو۔ پھر جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی تو عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا: لوگو، دیکھو، اگر کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا تھا (یعنی یہ سمجھتا تھا کہ وہ کبھی وفات نہیں پائیں گے) تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ ہمیشہ زندہ ہے، اسے موت کبھی نہیں آئے گی۔ (پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سورۂ زمر کی یہ آیت پڑھی): 'إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ'، ''اے پیغمبر، تمھیں بھی موت آنی ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے''۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: 'وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ'، ''محمد بھی ایک رسول ہی ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ پس کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا انھیں شہید کر دیا جائے تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اللہ عنقریب شکر گزار بندوں کو بدلہ دینے والا ہے''۔ راوی نے بیان کیا کہ یہ سن کر لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔''

لغوی تشریح

'عَلَى رِسْلِكَ': یعنی ٹھہر جاؤ، توقف سے کام لو۔

'فَنَشَجَ'، یعنی آواز کے ساتھ رونے لگے۔ 'نشیج' رونے کی آواز کو کہتے ہیں۔

شرح و وضاحت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ نہیں تھی کہ اللہ کے نبی کی وفات نہیں ہو سکتی اور نہ یہ صدمے کے زیر اثر کوئی جذباتی رد عمل تھا۔ دراصل ان کا گمان یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم اس موقع پر دنیا سے رخصت نہیں ہو سکتے۔ ان کے اس گمان کا پس منظر اور استدلال آیندہ آثار میں مزید وضاحت سے سامنے آئے گا۔

تخریج اور اختلاف طرق

عروہ بن زبیر کے طریق سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت درج ذیل مصادر میں بھی مروی ہے:

الطبقات الکبریٰ، ابن سعد 2/269۔ دلائل النبوہ، بیہقی 7/217-218۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم 16614۔ الاعتقاد، بیہقی 1/346۔

عروہ کے علاوہ اسے سیدہ سے ابن ابی ملیکہ اور یزید بن بابنوس نے بھی تفصیلات کے کچھ فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔

ابن ابی ملیکہ کی روایت میں ہے:

فجعلوا یقولون: لم یمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، إنما ھو بعض ما کان یأخذہ عند الوحی، . . . وعمر فی ناحیۃ المسجد یقول: واللہ ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یموت حتی یقطع أیدی أناس من المنافقین کثیر وأرجلھم. (ابن ماجہ، رقم 1599)

”لوگ کہنے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی۔ آپ پر بس ویسی کیفیت طاری ہوئی ہے جیسی وحی کے نزول کے وقت ہوتی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ مسجد کے ایک کونے میں (لوگوں سے) کہہ رہے تھے کہ بخدا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی اور آپ کی وفات نہیں ہو گی جب تک آپ بہت سے منافقوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ نہیں دیں گے۔“

یزید بن بابنوس کی روایت کے مطابق اس موقع پر سیدنا عمر مغیرہ بن شعبہ کے ہم راہ سیدہ کے حجرے میں آئے تھے۔ جب مغیرہ نے ان سے کہا کہ آپ کا انتقال ہو چکا ہے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

كذبت، بل أنت رجل تحوسك فتنة، إن رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يموت حتى يفنى الله عز وجل المنافقين. (مسند احمد، رقم 25841۔ دلائل النبوہ، بیہقی 7/214)

”تم جھوٹ کہہ رہے ہو، بلکہ تم ایسے شخص ہو جو فتنے میں مبتلا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہو گا یہاں تک کہ آپ منافقین کا خاتمہ نہ کر دیں۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ یہ واقعہ ابن عمر، انس، ابو ہریرہ، سالم بن عبید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بھی نقل کیا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس جملے کا پس منظر بھی واضح کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کو قتل کر دیں گے:

فلما خرج مر بعمر رحمة الله عليه وهو يقول: والله ما مات رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يموت حتى نقتل المنافقين، قال: وقد كانوا استبشروا بموت رسول الله صلى الله عليه وسلم ورفعوا رءوسهم. (مسند البزار، رقم 103)

”جب ابو بکر باہر نکلے تو ان کا گزر عمر کے پاس سے ہوا، اللہ ان پر رحمت کرے۔ عمر کہہ رہے تھے کہ بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے جب تک کہ ہم منافقوں کو قتل نہ کر دیں۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ آپ کی وفات کی خبر پر منافقین میں خوشی پھیل گئی تھی اور انھوں نے اپنے سر اٹھا لیے تھے۔“

سیدنا انس کی روایت میں ہے:

وقام عمر فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يمت، ولكن ربه أرسل إليه كما أرسل إلى موسى أربعين ليلة عن أربعين ليلة، والله إني لارجو أن يعيش رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يقطع أيدي رجال من المنافقين وألسنتهم

”عمر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا، بلکہ آپ کے رب نے ان کو اس طرح اپنے پاس بلایا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دن کے لیے بلایا تھا۔ مجھے توقع ہے کہ آپ زندہ رہیں گے، یہاں تک کہ ان منافقوں کے ہاتھ

يزعمون أو قال يقولون: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد مات.
(مصنف عبد الرزاق، رقم 9754)

اور زبانیں کاٹ دیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ کا انتقال ہو گیا ہے۔"

آپ کی وفات کو سیدنا موسیٰ کی غیر حاضری کے ساتھ تشبیہ دینے کا یہ مضمون سیدنا ابو ہریرہ (تفسیر ابن المنذر، رقم 986۔ انساب الاشراف، بلاذری 1/566۔ تاریخ الطبری 3/200) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایات میں بھی بیان ہوا ہے (انساب الاشراف، بلاذری 1/567۔ مسند الدارمی، رقم 84۔ مصنف عبد الرزاق، رقم 9754)۔

سالم بن عبید کی روایت میں ہے:

فلما توفي النبي صلى الله عليه وسلم قال عمر: لا يتكلم أحد بموته إلا ضربته بسيفي هذا، فسكتوا وكانوا قومًا اميين، لم يكن فيهم نبي قبله.
(السنن الکبریٰ، نسائی، رقم 7081)

"جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو عمر کہنے لگے کہ جو بھی آپ کے وفات پانے کی بات کرے گا، میں اپنی اس تلوار سے اس کا کام تمام کر دوں گا۔ اس پر لوگ خاموش ہو گئے، کیونکہ وہ ایک امی قوم تھے اور اس سے پہلے ان میں کوئی نبی نہیں ہوا تھا۔"

سالم بن عبید کی روایت معجم الصحابہ، بغوی 3/148 اور اسد الغابہ، ابن الاثیر 3/277 میں بھی منقول ہے۔

[باقی]

سید منظور الحسن

اسرا و معراج

تفہیم و تبیین جاوید احمد غامدی

[محمد حسن الیاس کے ساتھ ایک مکالمے سے لیا گیا]

(11)

بحث و استدلال کے بنیادی اصول

روایتی موقف پر نقد و نظر سے پہلے ہم وہ بنیادی اصول بیان کریں گے، جن پر استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے استدلال کی اساس قائم ہے۔ اسرا و معراج کے حوالے سے اُن کا جو موقف گذشتہ صفحات میں نقل ہوا ہے، اُس میں اِنھی اصولوں کا لحاظ کیا گیا ہے۔ آیندہ صفحات میں اُن کے موقف کی تفہیم اور روایتی موقف پر نقد میں بھی یہی اصول بنائے استدلال ہوں گے۔ یہ عقل و نقل کے چند مبادیات ہیں، جنھیں اختیار کیے بغیر دین و شریعت کے صحیح فہم تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ یہ درجِ ذیل ہیں:

اول، دین میں قرآنِ مجید کی حیثیت میزان اور فرقان کی ہے۔[1] اِس کے معنی یہ ہیں کہ دین

---

[1] 'اَللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ.'، ''اللہ ہی ہے، جس نے اپنی یہ کتاب قول فیصل کے ساتھ اتاری ہے اور (اِس طرح حق و باطل کو الگ الگ کرنے کے لیے) اپنی میزان نازل کر دی ہے''

سے متعلق تمام معاملات میں اِسے فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ احادیث و آثار، تاریخ و سیرت، فقہ و تفسیر کے ہر قول، ہر روایت اور ہر رائے کو اِس کی ترازو میں تولا جائے گا اور اِس کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا۔ وہی چیز قابلِ قبول ہو گی، جسے یہ قبول کرے گا۔ جسے یہ رد کرے گا، اُسے دین یا اُس کی شرح و وضاحت کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

اِس اصول پر عمل کے لیے ضروری ہے کہ حدیث کو قرآن کی روشنی میں سمجھا جائے اور اِس میں اگر کوئی چیز قرآن و سنت کے خلاف ہو تو اُسے قبول نہ کیا جائے۔ ''میزان'' میں ہے:

''...دین میں اُس (قرآن) کی حیثیت میزان اور فرقان کی ہے۔ وہ ہر چیز پر نگران ہے اور حق و باطل میں امتیاز کے لیے اُسے حکم بنا کر اتارا گیا ہے، لہٰذا یہ بات تو مزید کسی استدلال کا تقاضا نہیں کرتی کہ کوئی چیز اگر قرآن کے خلاف ہے تو اُسے لازماً رد ہونا چاہیے۔... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیثیت نبوت و رسالت میں جو کچھ کیا، اُس کی تاریخ کا حتمی اور قطعی ماخذ بھی قرآن ہی ہے۔ لہٰذا حدیث کے بیش تر مضامین کا تعلق اُس سے وہی ہے، جو کسی چیز کی فرع کا اُس کی اصل سے اور شرح کا متن سے ہوتا ہے۔ اصل اور متن کو دیکھے بغیر اُس کی شرح اور فرع کو سمجھنا، ظاہر ہے کہ کسی طرح ممکن نہیں ہوتا۔ حدیث کو سمجھنے میں جو غلطیاں اب تک ہوئی ہیں، اُن کا اگر دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت صاف واضح ہو جاتی ہے۔ عہدِ رسالت میں رجم کے واقعات، کعب بن اشرف کا قتل، عذاب قبر اور شفاعت کی روایتیں، 'اُمرت ان اقاتل الناس'[2] اور 'من بدل دینہ فاقتلوہ'[3] جیسے احکام اِسی لیے الجھنوں کا باعث بن گئے کہ اُنھیں قرآن میں اُن کی اصل سے متعلق کر کے سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔'' (63-65)

دوم، قرآنِ مجید صاف اور واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اِس کے الفاظ و اسالیب میں کوئی الجھاؤ، کوئی ابہام، کوئی شذوذ اور کوئی غرابت نہیں ہے۔ یہ اپنا مدعا پوری صراحت کے ساتھ

(الشوریٰ 42: 17)۔ 'تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا.'، ''بہت بزرگ، بہت فیض رساں ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر یہ فرقان اتارا ہے، اِس لیے کہ وہ اہل عالم کے لیے خبردار کرنے والا ہو'' (الفرقان 25: 1)۔

[2] بخاری، رقم 25۔ مسلم، رقم 129۔ ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اِن لوگوں سے جنگ کروں۔''

[3] بخاری، رقم 3017۔ ''جو اپنا دین تبدیل کرے، اُسے قتل کر دو۔''

پیش کرتا ہے، جسے اہل علم کو سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

''میزان'' میں بیان ہوا ہے:

''... قرآن صرف عربی ہی میں نہیں، بلکہ عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔ یعنی ایک ایسی زبان میں جو نہایت واضح ہے، جس میں کوئی اینچ پینچ نہیں ہے، جس کا ہر لفظ صاف اور جس کا ہر اسلوب اپنے مخاطبین کے لیے ایک مانوس اسلوب ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ، عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ. بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيۡنٍ. (الشعراء 26:193-195)	''اِس کو روح الامین لے کر اترا ہے۔ تمھارے دل پر، اِس لیے کہ دوسرے پیغمبروں کی طرح تم بھی خبردار کرنے والے بنو۔ نہایت صاف عربی زبان میں۔''
قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا غَيۡرَ ذِىۡ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ. (الزمر 39:28)	''ایسے قرآن کی صورت میں جو عربی زبان میں ہے، جس کے اندر کوئی ٹیڑھ نہیں ہے، اِس لیے کہ وہ خدا کے عذاب سے بچیں۔''

قرآن کے بارے میں یہ ایک واضح حقیقت ہے۔ اِسے مانیے تو اِس کے لازمی نتیجے کے طور پر یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ قرآن کا کوئی لفظ اور کوئی اسلوب بھی اپنے مفہوم کے اعتبار سے شاذ نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے مخاطبین کے لیے بالکل معروف اور جانے پہچانے الفاظ اور اسالیب پر نازل ہوا ہے۔ زبان کے لحاظ سے اُس کی کوئی چیز اپنے اندر کسی نوعیت کی کوئی غرابت نہیں رکھتی، بلکہ ہر پہلو سے صاف اور واضح ہے۔ چنانچہ اُس کے ترجمہ و تفسیر میں ہر جگہ اُس کے الفاظ کے معروف معنی ہی پیشِ نظر رہنے چاہییں۔ اِن سے ہٹ کر اُس کی کوئی تاویل کسی حال میں قبول نہیں کی جا سکتی۔'' (20-21)

ہمارے نزدیک روایتی مکاتب میں فکر و نظر کی بیش تر غلط فہمیوں کا باعث عقل و نقل کے اِنھی اصولوں سے گریز ہے۔ اسرا و معراج کے واقعات کی تفہیم میں اِنھیں کلیتاً نظر انداز کیا گیا ہے۔[4]

---

[4] اِس میں شبہ نہیں کہ سلف و خلف کے علما اِنھیں قبول کرتے ہیں اور اپنے استدلالی مقدمات میں اِنھیں بیان بھی کرتے ہیں، مگر یہ قبولیت اور یہ بیان نظری دائرے ہی تک محدود رہتا ہے۔ عملی اور اطلاقی

قرآن کے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ نصوص کو ذیلی اور احادیث کے ظنی الثبوت اور ظنی الدلالہ نصوص کو اصل مانا گیا ہے۔ احادیث کو قرآن کی روشنی میں سمجھنے کے بجاے قرآن کی احادیث کی روشنی میں تاویل کی گئی ہے۔ یہی معاملہ عربی زبان کے معروف الفاظ و اسالیب کے ساتھ ہوا ہے۔ اُنھیں اُن کے مستعمل معانی سے ہٹا کر شاذ اور اجنبی مفاہیم پر محمول کیا گیا ہے۔ علم و فکر کے اِس غلط انداز اور فہم و استدلال کی اِس معکوس ترتیب سے قرآن کے میزان اور فرقان ہونے کی منزلت مجروح ہوئی ہے، زبان و بیان کے مسلمات صرفِ نظر ہوئے ہیں اور ایسے مدعا کا ابلاغ ہوا ہے، جو بعض پہلوؤں سے قرآن و حدیث، دونوں کے مطمح نظر کے خلاف ہے۔

اِس معاملے میں ہوا کیا ہے، اُسے سمجھنے کے لیے متعلقہ نصوص اور اُن سے ماخوذ نتائج کا ایک طائرانہ جائزہ ہی کفایت کر سکتا ہے۔ ہر شخص بہ ادنیٰ تامل سمجھ جائے گا کہ پہلے مختلف روایات کو ملا کر ایک واقعہ ترتیب دیا ہے اور پھر اُس کے تناظر میں آیاتِ قرآنی کی تاویل کی گئی ہے۔ قرآن کی کسی آیت نے اگر مرتب شدہ واقعے کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے تو اُس کی ایسی توجیہ کی ہے، جو قرآن کے عرف اور اُس کی زبان کے معروف کے خلاف ہے۔ اِسی طرح اگر کسی روایت میں متصورہ واقعے سے مختلف بات سامنے آئی ہے تو اُس روایت کو رد کر دیا گیا ہے، خواہ وہ جلیل القدر محدثین کے معیارِ صحت پر پوری اترتی ہو۔

[باقی]

دائرے میں اِن سے صرفِ نظر ہی کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔

تحقیق و تالیف: ڈاکٹر محمد عامر گزدر

صلاۃ التسبیح: فقہ و حدیث کی روشنی میں

[ایک تحقیقی مطالعہ]

(8)

صلاۃ التسبیح ــــ علما کا اختلاف اور راجح موقف

یہ بات راقم الحروف نے اِس مقالے کے آغاز میں بیان کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلاۃ التسبیح کے ثبوت اور دین میں اِس نماز کی مشروعیت کے بارے میں علما و فقہا کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اہل علم اِس کو ایک پسندیدہ نفل نماز قرار دیتے ہیں اور اپنے استدلال کے طور پر وہ اِس باب میں مروی وہی قولی احادیث پیش کرتے ہیں، جن کی مفصل تحقیق ہم پیچھے پیش کر چکے ہیں۔ یہ موقف عبد اللہ بن مبارک، بعض علماے شافعیہ، مثلاً بغوی، غزالی، محاملی، سبکی، ہیتمی اور حنفیہ میں سے ابن عابدین نے اختیار کیا ہے۔[1] صلاۃ التسبیح کے بارے میں منقول تمام احادیثِ باب کی اُصولِ علمِ روایت کی روشنی میں جو مفصل تحقیق ہم پہلے پیش کر چکے ہیں، اُس کے نتائج کی رو سے یہ بات اب پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اِس نماز کے استحباب و مشروعیت کا یہ قول علمی لحاظ سے کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اِس نماز کے

---

[1] دیکھیے: المجموع شرح المہذب، نووی 4/ 55۔ نہایۃ المحتاج 2/ 123-124۔ الدکتور خالد الحایک، التنقیح والترجیح للاختلاف الواقع فی صلاۃ التسبیح۔

بارے میں صحیح وصائب رائے اُنھی علما، محدثین اور محققین کی ہے جنھوں نے اِس نماز کو دین میں غیر ثابت شدہ ہونے کی بنا پر غیر مشروع قرار دیا ہے، اِس لیے کہ پیچھے راقم السطور کی تحقیق سے یہ مقدمہ بہ دلائل متحقق ہو چکا ہے کہ اِس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے اور یہ کہ یہ نماز سنت میں معروف نماز کی ادائیگی کی مجموعی ہیئت سے مختلف طریقے پر ادا کی جاتی ہے، لہٰذا یہ لازم تھا کہ ایسی نماز 'صحیح' ومستند روایتوں ہی سے نقل ہو کر ہم تک پہنچتی۔ اِس کے بغیر دین میں ایسی کسی منفرد اور غیر معمولی فضیلت کی حامل نماز کو مشروع نہیں مانا جا سکتا۔

صلاۃ التسبیح کی عدم مشروعیت پر علما و محققین کے اقوال

اب ذیل میں قارئین کی خدمت میں اُن قدیم ومعاصر علما، فقہا، محدثین اور محققین کی آرا زمانی ترتیب کے ساتھ پیش کی جائیں گی، جنھوں نے صلاۃ التسبیح کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عدم ثبوت اور اِس نماز کے غیر مشروع ہونے کی اپنے اپنے اسلوب میں صراحت کی ہے۔

1۔ امام احمد بن حنبل (المتوفی: 241ھ) کہتے ہیں: ''مجھے صلاۃ التسبیح کی یہ نماز پسند نہیں ہے۔ پوچھا گیا: کیوں؟ فرمایا: اِس نماز کے بارے میں کوئی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ پھر اُنھوں نے اپنا ہاتھ جھٹک کر اِس نماز کی نفی وتردید کی''۔[2]

2۔ امام ابو جعفر عقیلی (المتوفی: 322ھ) کہتے ہیں: 'لَیس فِی صلاۃ التسبیح حدیث یثبت'، ''صلاۃ التسبیح کے بارے میں کوئی حدیث درجۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی''۔[3]

3۔ قاضی ابو بکر ابن عربی (المتوفی: 543ھ) کہتے ہیں: 'لَیْسَ فِیهَا حَدِیثٌ صَحِیحٌ وَلَا حَسَنٌ'، ''صلاۃ التسبیح کے بارے میں 'صحیح' کے درجے کی کوئی حدیث پائی جاتی ہے، نہ 'حسن' کے درجے کی''۔[4]

4۔ علامہ ابن جوزی (المتوفی: 597ھ) نے صلاۃ التسبیح کی روایت کو اپنی 'موضوعات'، یعنی

---

[2] دیکھیے: المغنی، ابن قدامہ 2/98۔

[3] دیکھیے: ابن جوزی، الموضوعات 2/470۔

[4] دیکھیے: ابن حجر، التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر 2/16۔

من گھڑت روایتوں کے مجموعے میں ذکر کیا ہے۔[5]

5۔ ابن دحیہ الکلبی (المتوفی: 633ھ) نے بھی صلاۃ التسبیح کی حدیث کو 'موضوع'، یعنی من گھڑت قرار دیا ہے۔[6]

6۔ امام نووی (المتوفی: 675ھ) کہتے ہیں: ''صلاۃ التسبیح کا مستحب ہونا محل نظر ہے، اِس لیے کہ اِس کی حدیث ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں، اِس نماز کی ادائیگی کی ہیئت بھی نماز کے معروف ڈھانچے سے مختلف ہے، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اِس طرح کی کوئی عبادت بغیر مستند حدیث کے انجام نہ دی جائے، جب کہ اِس نماز کے بارے میں مروی حدیث ثابت نہیں ہے''۔[7]

7۔ امام ابن تیمیہ (المتوفی: 728ھ) نے صلاۃ التسبیح کے باب میں مروی حدیث کو جھوٹی روایت قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور دوسرے ائمہ نے اِس نماز کے بارے میں کبھی سنا تک نہیں تھا۔[8]

8۔ ابو طاہر الفیروز آبادی (المتوفی: 817ھ) کہتے ہیں کہ صلاۃ التسبیح کے باب میں کوئی حدیث صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔[9]

9۔ حافظ ابن حجر (المتوفی: 852ھ) کہتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ صلاۃ التسبیح کے بارے میں مروی حدیث کے تمام طرق 'ضعیف' ہیں۔[10]

10۔ علامہ شوکانی (المتوفی: 1250ھ) نے بھی صلاۃ التسبیح کی حدیث کو 'ضعیف' قرار دیا ہے۔[11]

---

[5] دیکھیے: ابن جوزی، الموضوعات 2/470۔

[6] دیکھیے: ابن دحیہ ابو الخطاب عمر بن حسن الاندلسی الکلبی، اداء ما وجب من بیان وضع الوضاعین فی رجب، ص22۔

[7] دیکھیے: ابو زکریا محیی الدین یحییٰ بن شرف النووی، المجموع شرح المہذب، ص35۔

[8] دیکھیے: ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویہ 7/434۔

[9] دیکھیے: مجد الدین ابو طاہر الفیروزآبادی، رسالۃ فی بیان مالم یثبت فیہ حدیث من الابواب، ص24۔

[10] دیکھیے: ابن حجر، التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر 2/18۔

[11] دیکھیے: محمد بن علی بن محمد الشوکانی، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ، ص37-38۔

11۔ امام عبد العزیز بن باز (المتوفی: 1420ھ) کہتے ہیں کہ صلاۃ التسبیح کے بارے میں مروی روایت 'شاذ' اور متن کے اعتبار سے بھی 'منکر' ہے۔ یہ حدیث نوافل کے باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول تمام معروف 'صحیح' احادیث کے خلاف ہے۔ اِس کے بارے میں صائب قول یہی ہے کہ یہ غیر مستند اور ناقابل اعتبار ہے، اِس لیے کہ اِس کی تمام اسانید ضعیف ہیں۔ امام ابن باز کی رائے میں صلاۃ التسبیح ایک بے بنیاد اور بدعت نماز ہے۔[12]

12۔ علامہ ناصر الدین البانی (المتوفی: 1420ھ) نے اِس بات کا اعتراف کیا ہے کہ صلاۃ التسبیح کے باب میں جو قولی روایتیں بھی وارد ہوئی ہیں، انفرادی حیثیت میں اُن میں سے کسی روایت کی ایک سند بھی درجۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔[13]

13۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین (المتوفی: 1421ھ) نے صلاۃ التسبیح کی روایتوں پر سند و متن، دونوں اعتبار سے نقد کرتے ہوئے اسے باطل اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔[14]

14۔ جامعۂ اسلامیہ مدینہ منورہ کے استاذ ڈاکٹر ضیاء الاعظمی (المتوفی 1441ھ)، جو علمِ حدیث کے معاصر علما میں ایک غیر معمولی مقام رکھتے ہیں، اُنھوں نے بھی صلاۃ التسبیح کے باب میں مروی تمام روایتوں پر کلام کر کے اُن سب کو 'ضعیف' قرار دیا ہے۔[15]

15۔ شیخ البانی کے مشہور شاگرد اور علومِ حدیث کے ماہر شیخ ابو اسحاق الحُوینی (المتوفی 1446ھ) نے بھی صلاۃ التسبیح کی روایت کی تضعیف کی ہے۔[16]

---

[12] دیکھیے: عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز، مجموع فتاوی العلامۃ عبد العزیز بن باز 11/426۔
https://binbaz.org.sa/.../%D8%B5%D9%84%D8%A7%D8%A9-%D8%A7...

[13] دیکھیے: محمد ناصر الدین بن الحاج نوح الالبانی، سلسلۃ فتاویٰ رابع للعلامۃ المحدث الالبانی 5/7۔ محمد ناصر الدین بن الحاج نوح الالبانی، الرد المفحم علی من خالف العلماء و تشدد و تعصب والزم المرأۃ ان تستر وجھھا وکفیھا واوجب ولم یقنع بقولھم: انہ سنۃ و مستحبۃ، ص100۔

[14] دیکھیے: محمد بن صالح بن محمد العثیمین، مجموع فتاویٰ ورسائل فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین 14/323-331۔

[15] دیکھیے: ڈاکٹر ضیاء الاعظمی، الجامع الکامل فی الحدیث الشامل 3/450-452۔

[16] دیکھیے: https://www.youtube.com/watch?v=X4KK2fGlLTk...

16۔ سعودی عرب کے کبار علما کی دائمی کمیٹی نے صلاۃ التسبیح سے متعلق اپنے فتوے میں لکھا ہے کہ یہ ایک بدعت ہے۔ اِس کی حدیث ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ ایک 'منکر' روایت ہے اور بعض علما نے اِس کو من گھڑت احادیث کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ اِس فتوے پر شیخ عبد اللہ بن قعود، شیخ عبد اللہ بن غدیان، علامہ عبد الرزاق عفیفی اور امام عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز کے دستخط موجود ہیں۔[17]

17۔ مفتی اعظم سعودی عرب شیخ صالح بن فوزان الفوزان نے بھی صلاۃ التسبیح کی حدیث کو غیر ثابت کہہ کر اِس نماز کو بدعت قرار دیا ہے۔[18]

18۔ جامعۂ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ایک بڑے استاذ شیخ سلیمان بن سلیم اللہ الرحیلی نے بھی صلاۃ التسبیح کی روایت کو سنداً اور متناً، دونوں اعتبارات سے ضعیف اور اِس نماز کو بدعت قرار دیا ہے۔[19]

19۔ معاصر محقق حدیث ڈاکٹر خالد الحایک نے بھی اپنے تحقیقی مقالے "التّنقیح والتّرجیح للاختلاف الواقع فی صلاۃ التّسبیح" میں اِس باب کی تمام روایتوں کو غیر ثابت قرار دیا ہے۔[20]

20۔ ڈاکٹر عبد العزیز الطریفی نے بھی صلاۃ التسبیح کی حدیث کی روایت و درایت، دونوں پہلو سے تضعیف کی ہے۔[21]

[باقی]

---

[17] دیکھیے: اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء، فتاوی اللجنۃ الدائمۃ 8/164۔

[18] دیکھیے:

https://ar.islamway.net/.../%D8%AD%D9%83%D9%85%D8%B5%D9...,

https://dralfawzann.com/file/20268/

[19] دیکھیے: https://www.youtube.com/watch?v=h_TvN5eksdY&list=WL..

[20] دیکھیے: الموقع الرسمی للشیخ الدکتور خالد الحایک۔

[21] دیکھیے:

https://ar.islamway.net/.../%D9%85%D8%B3%D8%A3%D9%84%D8...

محمد سعد سلیم

علامات قیامت اور تاریخی واقعات: بائیبل اور قرآن کی روشنی میں

(13)

[”نقطۂ نظر“ کا یہ کالم مختلف اصحابِ فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

تعبیر سے متعلق سوالات

دوسری جنگِ عظیم اور سرد جنگ میں سوویت یونین کا کردار

دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں، سوویت یونین اتحادی افواج کے ساتھ تھا اور نازی جرمنی کی مخالفت کر رہا تھا (جسے احادیث میں یاجوج وماجوج سے تعبیر کیا گیا ہے)۔ تاہم، جنگ کے بعد سرد جنگ کے دوران میں، سوویت یونین ایک کمیونسٹ طاقت کے طور پر مذہبی عقائد اور اخلاقی اقدار کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کیے رہا، کمیونزم اور الحاد کو فروغ دیا اور عالمی اثر ورسوخ میں امریکہ کا حریف بنا۔ اِس طرح اُس نے دجال جیسے کردار کا مظاہرہ کیا، جس سے اِس کے کردار میں بہ ظاہر تضاد محسوس ہوتا ہے۔

احادیث میں بیان کردہ واقعات میں ایک ہی قوت مختلف تاریخی سیاق و سباق میں مختلف

علامتی کردار ادا کر سکتی ہے۔ اسی طرح کی مثال ہمیں آسمانی کتب میں بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً بابل کی سلطنت کو کتاب دانیال میں ایک ظالمانہ اور بت پرست طاقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس نے حضرت سلیمان علیہ السلم کے ہیکل کو تباہ کیا۔[1] لیکن قرآن (سورۂ بنی اسرائیل) میں اُنھی بابلیوں کو "میرے بندے" کہا گیا ہے، جب اللہ نے اُنھیں بنی اسرائیل پر بہ طور عذاب مسلط کیا۔[2] قرآن کا یہ بیان بابلیوں کے عقائد کی تائید نہیں کرتا، بلکہ یہ دکھاتا ہے کہ جابر قوتیں بھی مخصوص حالات میں الٰہی مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بن سکتی ہیں، جس طرح سوویت یونین، جو دجالی صفات کی حامل تھی، دوسری جنگِ عظیم میں اتحادی افواج کا حصہ تھی۔

یہ مثالیں اِس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ علامات کو اِن کے تاریخی اور دینی سیاق وسباق میں سمجھنا چاہیے اور اِنھیں جامد یا مستقل کرداروں تک محدود نہیں کرنا چاہیے۔

دوسری جنگِ عظیم اور سرد جنگ کے دوران میں اخلاقی مسائل

حدیث میں مستقبل کی پیشین گوئیوں کے واقعات میں مختلف ریاستوں کے عمومی کردار کی نشان دہی کی گئی ہے، مگر اِن میں بیان کردہ کرداروں کے ہر عمل کی اخلاقی منظوری کی ضمانت نہیں دی گئی۔

مثال کے طور پر، امریکہ کی فسطائیت اور کمیونزم مخالف کوششوں کے باوجود، جاپان پر ایٹم بم گرانا، کوریا میں بے دریغ بم باری اور ویتنام میں جنگی جرائم تاریخی حقائق ہیں، جن میں عام شہریوں کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے۔ دینی نقطۂ نظر سے، اِن اقدامات کو اخلاقی طور پر جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حدیث اُن کی اخلاقی درستگی یا منظوری کا عندیہ نہیں دیتی۔

امریکہ کے اپنے مفادات

کیا امریکہ نے یہ سب کچھ محض اپنے مفادات کے تحت کیا یا اِس نے شعوری طور پر ایک مسیحا کا کردار ادا کیا؟ یہ مضمون یہ تجویز کرتا ہے کہ تاریخ میں پیش آنے والے واقعات صرف انسانی

---

1 دانیال 7:1-28۔

2 بنی اسرائیل 17:5۔

ارادوں کا نتیجہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ خدائی تقدیر کا حصہ بن کر قیامت کی نشانیوں سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ دوسری جنگ عظیم اور سرد جنگ میں امریکہ کی مداخلت بہ ظاہر اُس کے جغرافیائی اور معاشی مفادات کے تحت تھی، مگر اِس کے اقدامات نادانستہ طور پر ایک بڑے، پیشین گوئی شدہ عالمی بیانیے کی تکمیل کا ذریعہ بنتے چلے گئے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں مسیح کے آنے کے تصورات

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق جو احادیث بیان ہوئی ہیں، وہ یہودی اور عیسائی تصورات سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہیں اور ایک بالکل منفرد حقیقت کی نشان دہی کرتی ہیں۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے ذیل میں پہلے یہودیوں اور پھر عیسائیوں کی پیشین گوئیوں سے متعلق چند بنیادی نکات پیش کیے جا رہے ہیں:

- یہودی پیشین گوئیاں: بنی اسرائیل کے انبیا نے پیشین گوئی کی تھی کہ پہلے معبد (ہیکل) کی تباہی کے بعد یہود دوبارہ یروشلم لوٹیں گے، معبد کی دوبارہ تعمیر ہو گی، شمالی اقوام اُس معبد کی بے حرمتی کریں گی اور آخر کار اللہ تعالیٰ یہود کو اُن اقوام پر فتح عطا فرمائے گا۔ اِنھی پیشین گوئیوں کے تسلسل میں اللہ کی طرف سے ایک "مسیح"—یعنی مسح شدہ اور منتخب نبی—کے ظہور کی بشارت دی گئی۔
- تاریخی تکمیل: یہ پیشین گوئیاں تاریخ میں پوری ہو چکی ہیں: دوسرا معبد 516 قبل مسیح میں تعمیر ہوا، پھر یونانی دور میں خصوصاً سلوقی یونانیوں نے یروشلم میں مداخلت کی اور 167 قبل مسیح میں معبد کی بے حرمتی کی۔ اِس کے بعد یہود کو اُن اقوام پر غیر معمولی فتح حاصل ہوئی، جسے تاریخ میں "مکابی بغاوت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اِس دور کے کچھ ہی عرصے بعد، حضرت عیسیٰ کو نبی بنا کر بھیجا گیا اور اُنھیں مسیح قرار دیا گیا۔ یہودی تاریخ میں پہلے آنے والے مسیحی کرداروں کے برعکس، جنھیں یہودی مذہبی اداروں کے اندر رسمی طور پر مسح یا تسلیم کیا گیا، حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کے ذریعے سے مسح فرمایا، نہ کہ کسی ادارہ جاتی یا رسمی مذہبی عمل کے ذریعے سے۔[3]

---

3 متی 16:3۔

- مسیح کے تصور میں بگاڑ: وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، اکثر یہودیوں نے اِن پیشین گوئیوں کو تاریخی واقعات سے جوڑنے کے بجاے، مختلف پیشین گوئیوں کو ملا کر مسیح کے تصور کو ایک برگزیدہ اللہ کے رسول کے بجاے ایک عالمی فاتح اور بادشاہ کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا۔ مسیح کے اُس نئے تصور کی بنیاد درحقیقت اُن کے ذاتی مفروضات اور مذہبی تشریحات پر تھی، نہ کہ وحی کی روشنی میں حاصل ہونے والے کسی درست فہم پر۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے بعد یہود دنیا کی امامت سے معزول کر دیے گئے۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بعثت کے دوران میں اِس کا واضح اعلان فرمایا[4] اور قرآن مجید نے بھی اِس حقیقت کی تصدیق کی ہے۔[5]

دوسری طرف، عیسائیوں کا ماننا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واپس آئیں گے اور اُن کے پیروکار ہزار سال تک دنیا پر حکومت کریں گے۔ یہ تصور، یہود کے مانند، مختلف پیشین گوئیوں کے امتزاج کا نتیجہ ہے۔ اِس فرق کو سمجھنے کے لیے ذیل میں عیسائی پیشین گوئیوں سے متعلق چند بنیادی نکات پیش کیے جا رہے ہیں:

- مسیح کی واپسی: انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کا جو ذکر ملتا ہے، وہ درحقیقت یہودیوں کے انکارِ مسیح کے نتیجے میں 66 سے 70 عیسوی کے دوران میں اُن پر نازل ہونے والے عذابِ الٰہی کی پیشین گوئی کا ایک علامتی بیان ہے، جس کا انجام 70 عیسوی میں رومیوں کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی اور معبد کی بے حرمتی کی صورت میں ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُس عذاب کی وضاحت اِس انداز سے فرمائی کہ اِن کے انکار کرنے والوں کی موجودہ نسل کے ختم ہونے سے پہلے یہ واقعات پیش آئیں گے۔ اِس میں ہیکل کے ایک پتھر کے دوسرے پر باقی نہ رہنے کی پیشین گوئی بھی شامل ہے، جو تاریخی حقائق سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔[6]
- ایک ہزار سالہ حکومت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتابِ مکاشفہ میں

---

4 متی 43:21۔

5 آل عمران 55:3۔

6 متی 24۔

دنیا پر لوہے کے عصا سے حکومت کرنے کا اختیار ایک ایسی شخصیت کو دیا گیا ہے جسے "صادق" اور "امین" کے القابات سے پکارا گیا ہے۔[7] یہ القابات واضح طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعے سے وہ طاقتیں زوال پذیر ہوئیں جنھیں کتابِ مکاشفہ میں علامتی طور پر پیش کیا گیا تھا: سمندر کا جانور، جس کی تعبیر رومن سلطنت کے طور پر کی جاتی ہے؛ زمین کا جانور، جو کلیسا کی نمایندگی کرتا ہے؛ اور سرخ جانور، جسے فارسی سلطنت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِن فتوحات نے ایک عالمی مسلم حکمرانی کی بنیاد رکھی۔ مسلم خلافت — جو خلافتِ راشدہ سے لے کر خلافتِ عثمانیہ تک پھیلی — تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا میں اپنا اثر و رسوخ برقرار رکھے رہی اور یہ بالکل اسی پیشین گوئی کی تکمیل تھی جو کتابِ مکاشفہ میں بیان کی گئی تھی۔[8] سترہویں صدی میں یورپی اقوام کا "عہدِ دریافت" اپنے اختتام کو پہنچا اور اِس کے بعد یورپی نوآبادیاتی طاقتیں، جنھیں مکاشفہ میں یاجوج و ماجوج کہا گیا ہے،[9] مسلم دنیا سمیت کئی خطوں پر تسلط قائم کرنے کے لیے سرگرم ہو گئیں۔ اِس نوآبادیاتی یلغار کے نتیجے میں مسلمانوں کی ہزار سالہ حکمرانی زوال پذیر ہوئی۔

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی اور "مردِ فتنہ": حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کا سب سے واضح ذکر عہدِ جدید میں اُس وقت سامنے آتا ہے جب "مردِ فتنہ" کے ظہور کو بیان کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا کردار ہے جو اسلامی تصورِ دجّال سے بہت قریب تر ہے۔[10] یہ نمایاں مشابہت احادیث کے اُس بیانیے کے مطابق ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کا سامنا کرتے اور اُسے شکست دیتے ہیں۔ اِس تصور کو اِس مضمون میں علامتی طور پر سوویت یونین کی نمایندگی اور سرد جنگ کے دوران میں امریکہ کے کلیدی کردار سے تعبیر کیا گیا ہے۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی اور مردوں کا زندہ ہونا: عہدِ جدید کی متعدد آیات

---

7 مکاشفہ 15:19۔

8 مکاشفہ 4:20-6۔

9 مکاشفہ 7:20-9۔

10 تھسلنیکیوں 2:3-8۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کو مردوں کے اٹھنے کے ساتھ جوڑتی ہیں، جس دوران میں اِنھیں گواہی دینے والے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔[11] یہ تصور قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں موجود قیامت کے دن کے اِس بیانیے سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اپنے ماننے والوں کے سامنے شہادت دیں گے۔[12]

مختصراً یہ کہ یہود و نصاریٰ کے مسیح کی آمد سے متعلق تصورات قرآن، احادیث اور خود اُن کی اپنی کتابوں کی تعلیمات سے متضاد ہیں، کیونکہ اُن کے یہ تصورات مختلف پیشین گوئیوں کے امتزاج، مذہبی قیاس آرائیوں کے ذریعے سے اِن کی تشریح کرنے اور اِن کے تاریخی تناظر کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہیں۔ مزید یہ کہ اُن کی کتب میں اِس موضوع سے متعلق تمام پیشین گوئیاں تاریخ کے صفحات میں پہلے ہی پوری ہو چکی ہیں۔

یہ بات ہمیں سکھاتی ہے کہ مستقبل کی پیش گوئیوں کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے کے بجاے ماضی کے واقعات کو کھلے دل و دماغ اور گہری بصیرت کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور جب کسی پیش گوئی کی تکمیل کی علامات ظاہر ہوں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اُس نے نہ صرف ہمیں اُن نشانیوں کا مشاہدہ کرنے کا موقع عطا فرمایا، بلکہ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کی روشنی میں اُنھیں پہچاننے کی توفیق بھی دی۔

[باقی]

---

11 یوحنا 5:28-29۔

12 المائدہ 5:116-117۔

ڈاکٹر عمار خان ناصر / ڈاکٹر سید مطیع الرحمٰن

مطالعۂ مسندِ احمد

(مسندِ احمد کی احادیث سے متعلق استفسارات اور ان کا جواب)

(9)

مسند عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

مطیع سید: حضرت عثمان تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کافی عرصہ تک زندہ رہے ہیں، لیکن روایات کی تعداد اس لحاظ سے بہت کم ہے۔ ایک روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات نہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں اپنے دوسرے ساتھیوں سے زیادہ یاد نہیں، لیکن میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے میری طرف ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے (رقم 469)۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ کثرت روایت کے قائل نہیں تھے۔

عمار ناصر: جی، حضرت عثمان تو واضح طور پر قلتِ روایت کے قائل تھے اور دوسرے اکابر صحابہ کی طرح ان کے ہاں بھی کثرت گریز سے اجتناب کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ کہیں نادانستہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے۔

مطیع سید: حمران کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ہر روز غسل کیا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے ان کے وضو کے لیے پانی رکھا تو انھوں نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ تمھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سناؤں۔ پھر کہنے لگے کہ میرا ارادہ بدل گیا ہے اور وہ حدیث نہیں سناؤں گا۔ اس پر

حکم بن العاص نے کہا کہ امیر المومنین، آپ وہ حدیث سنا دیں۔ اگر خیر کی بات ہو گی تو ہم اس پر عمل کر لیں گے اور اگر کوئی بری بات ہو گی تو اس سے بچ جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عثمان نے یہ حدیث بیان کی کہ جو شخص وضو کر کے نفل نماز پڑھے، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں (رقم 484)۔ اگر کوئی حدیث صحابی کے علم میں ہو تو کیا یہ اس کی صواب دید ہے کہ چاہے تو اسے بیان کرے اور چاہے تو نہ کرے؟

عمار ناصر: جی ایسا ہی ہے۔ دینی شرائع واحکام کے متعلق تو یہ اصول نہیں ہے۔ وہ تو جس کے علم میں ہوں، موقع پیدا ہونے پر اسے بیان کرنے چاہییں۔ لیکن ترغیب وترہیب اور مستحبات سے متعلق کوئی بات بیان کرنا یا نہ کرنا، یہ صحابی کی صواب دید ہے۔ اگر کسی حدیث کو بیان کرنا دینی مصلحت سے ہم آہنگ نہ ہو تو صحابہ بیان نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر کا واقعہ تو مشہور ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی گزارش کرتے تھے کہ لوگوں کو یہ بشارت نہ سنائی جائے کہ جس کے دل میں توحید کی سچی گواہی ہو گی، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ حضرت عمر کہتے تھے کہ یا رسول اللہ، اس سے لوگ عمل سے بے پرواہو جائیں گے، آپ لوگوں کو عمل کرنے دیں (صحیح مسلم، رقم 52)۔

مطیع سید: ایک اور حدیث کے متعلق بھی حضرت عثمان نے یہی بات فرمائی۔ جہاد کی فضیلت سے متعلق ایک حدیث بیان کر کے انھوں نے کہا کہ میں نے یہ حدیث تم سے چھپائے رکھی تھی، تاکہ تم مجھ سے جدا نہ ہو جاؤ، لیکن اب مجھے مناسب لگ رہا ہے کہ وہ تمھیں بتا دوں تاکہ تم جو بھی فیصلہ کرنا چاہو، کر لو۔ جدا ہونے سے یہاں کیا مراد ہے؟

عمار ناصر: مطلب یہ ہے کہ میں یہ چاہتا تھا کہ لوگ یہاں میرے پاس مدینہ میں موجود رہیں تاکہ میں ان سے رہنمائی اور امور سلطنت کو چلانے میں مشورہ لیتا رہوں۔ اگر میں یہ حدیث بیان کرتا تو بہت سے لوگ اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے جہاد پر چلے جاتے اور میں ان کی صحبت سے محروم ہو جاتا۔

مطیع سید: وضو والی حدیث کے متعلق ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عثمان نے کہا کہ اگر یہ بات اللہ کی کتاب میں نہ ہوتی تو میں تمھارے سامنے بیان نہ کرتا (رقم 400)۔ یہ حدیث تو انھوں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنی ہوئی تھی تو وہ یہ بات کیوں کہہ رہے ہیں کہ

اللہ کی کتاب میں نہ ہوتی تو میں بیان نہ کرتا؟

عمار ناصر: یہ وہ اس پہلو سے کہہ رہے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے جو بات بیان کی جائے، اس کی تصدیق کا کوئی نہ کوئی ذریعہ ہونا چاہیے تاکہ کوئی غیر مستند اور بے بنیاد بات آپ کی طرف منسوب نہ کی جا سکے۔ حضرت عثمان اسی پہلو سے کہہ رہے ہیں کہ یہ حدیث جو میں بیان کر رہا ہوں، اس کے مضمون کی تائید اللہ کی کتاب میں موجود ہے۔ یعنی یہ کوئی غیر مصدقہ بات نہیں اور کوئی تصدیق کرنا چاہے تو اللہ کی کتاب سے تصدیق کر سکتا ہے۔ بنیادی مقصد یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب بات کسی بھی آدمی کے شخصی بیان پر قبول نہ کی جائے، بلکہ اس کی تصدیق کا اہتمام کیا جائے۔

مطیع سید: ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عثمان نے یہ حدیث بیان کر کے اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چار صحابہ سے گواہی لی (رقم 486)۔ کیا یہ وہی واقعہ ہے یا کسی دوسرے موقع پر انھوں نے دوبارہ یہ حدیث بیان کی؟

عمار ناصر: دونوں امکان ہیں۔ ایک واقعہ بھی ہو سکتا ہے اور کوئی دوسرا موقع بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی اکابر صحابہ کا معروف طریقہ ہے کہ وہ حدیث بیان کرتے ہوئے تصدیق کے لیے یا تو قسم کھاتے تھے یا دوسرے صحابہ کی گواہی ساتھ پیش کرتے تھے۔ اسی طرح کسی سے حدیث سنتے تو عام طور پر اس سے بھی حلف لیتے یا کوئی دوسرا گواہ طلب کرتے تھے۔ یعنی تصدیق کا کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور اختیار کرتے تھے تاکہ ایک مصدقہ بات ہی آپ کی طرف منسوب کی جائے۔

مطیع سید: میں نے یہ بھی پڑھا ہے کہ حضرت عثمان لوگوں کو منع فرماتے تھے کہ ایسی حدیث بیان نہ کی جائے جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے دور میں لوگوں کو معلوم نہیں تھی۔ یہ بھی اسی احتیاط کے پہلو سے تھا؟

عمار ناصر: جی، اس میں بھی یہی احتیاط ملحوظ تھی کہ وہی احادیث بیان کی جائیں جن سے اکابر صحابہ واقف تھے اور جو ان کے سامنے بیان ہوئی ہوں اور انھوں نے ان کی تصدیق کی ہو۔

مطیع سید: حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ جب قرآنِ مجید نازل ہو رہا تھا تو بعض دفعہ مختلف سورتوں کی آیات ایک ہی وقت میں نازل ہو رہی ہوتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے والے کو فرما دیتے تھے کہ یہ آیات فلاں سورہ میں فلاں جگہ اور یہ آیات فلاں سورہ میں فلاں جگہ رکھ دی

جائیں (رقم 399)۔ اس سے ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کاتبین جب لکھ رہے تھے تو کیا وہ درمیان میں جگہ چھوڑ دیتے تھے کہ بعد میں اگر کوئی آیات آئیں گی تو انھیں یہاں لکھ لیں گے؟ بہ ظاہر تو ایسے لگتا ہے کہ جو آیات نازل ہوتی تھیں، وہ انھیں مسلسل لکھ دیتے ہوں گے۔ تو پھر بعد میں نازل ہونے والی آیات کو کسی سورہ کے درمیان وہ کیسے لکھتے تھے؟

عمار ناصر: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تو ایسا نہیں تھا کہ آپ نے کوئی مصحف یا دفتر بنوایا ہو اور اس میں آیات کو لکھواتے ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قرآن یکجا ایک مصحف میں لکھا ہوا نہیں تھا۔ مختلف اجزا ہوتے تھے اور جو معروف روایت ہے، اس کے مطابق جو بھی لکھنے کی چیز اس وقت دستیاب ہوتی تھی، اس پر قرآن کو لکھ لیا جاتا تھا۔ آیات کی ترتیب بنیادی طور پر قاریوں کے علم میں یا ذہن میں ہوتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں بھی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے مطابق تہجد کی نماز میں بھی قرآن کو پڑھتے تھے اور سال کے بعد رمضان میں جبریل کے ساتھ دورہ بھی فرماتے تھے۔ آیات کی ترتیب تو اصل میں لوگوں کے حافظے میں تھی، ایک جگہ کوئی مرتب نسخہ لکھا ہوا نہیں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مصحف میں نہ لکھنے کی وجہ بھی اہل علم یہی بیان کرتے ہیں کہ قرآن کا نزول مکمل نہیں ہوا تھا اور اس سے پہلے اسے یکجا لکھنا ممکن ہی نہیں تھا۔ مصحف میں ایک جگہ اصل میں اسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع کیا گیا۔

مطیع سید: علامہ تمنا عمادی نے تو ایک پوری کتاب لکھی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ حضور کے زمانے میں ہی قرآن ایک مصحف میں جمع کر دیا گیا تھا۔

عمار ناصر: جی، ان کا یہی دعویٰ ہے۔ کچھ اور اہل علم نے بھی یہ بات کہی ہے، لیکن اس کے تاریخی شواہد نہیں ہیں۔ بہت ہی کم زور استنباطات ان حضرات نے پیش کیے ہیں۔ اصل میں قرآن کو لکھا بھی جاتا تھا، یہ تو بالکل واضح ہے۔ قرآن خود اپنے لیے کتاب کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح وہ ایک مرتب صحیفہ ہے، جس کی الگ الگ سورتیں ہیں، یہ بھی قرآن سے ہی واضح ہے۔ لیکن یہ تعبیرات تو قرآن پہلے دن سے ہی استعمال کر رہا ہے، جب ابھی کچھ ہی سورتیں نازل ہوئی تھیں۔ ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ایک مصحف میں اول سے آخر ترتیب کے ساتھ یکجا لکھا ہوا بھی موجود تھا۔ اس کا الگ تاریخی ثبوت ہونا چاہیے۔

مطیع سید: اسی روایت میں حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ سورۂ انفال مدنی دور کے اوائل میں نازل ہوئی اور سورۂ براءت آخری دور میں نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور وضاحت نہیں فرمائی کہ اس سورہ کو کہاں رکھیں تو ہم نے مضمون کی مشابہت کی بنیاد پر الانفال اور براءت کو اکٹھا رکھ دیا (رقم 399)۔ یہ تو ایک طرح سے ان کا اجتہاد ہی تھا۔

عمار ناصر: جی، حضرت عثمان کی اس روایت کے مطابق علما کے ایک بڑے گروہ کا رجحان یہی ہے کہ باقی سورتوں کی ترتیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادی تھی، لیکن سورۂ براءت کے متعلق آپ نے واضح نہیں کیا کہ اس کو کہاں رکھنا ہے تو پھر صحابہ نے اجتہاداً اس کو اس جگہ رکھ دیا۔

مطیع سید: جب حضرت ابو بکر صدیق نے قرآن کو ایک جگہ جمع کیا تو کیا اس وقت یہ سوال سامنے نہیں آیا تھا؟

عمار ناصر: حضرت ابو بکر کے مصحف جمع کرنے کا جو محرک بتایا گیا ہے، وہ تو یہ تھا کہ قرآن کا سارا متن ایک جگہ جمع کر دیا جائے تاکہ وہ کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ اب وہ سورتوں کے لحاظ سے مرتب تھا یا غیر مرتب، اور وہ ترتیب یہی تھی جو آج ہمارے سامنے ہے، اس کے بارے میں میرے مطالعے کی حد تک روایات میں کوئی واضح بات بیان نہیں ہوئی۔ البتہ روایات میں دوسرے صحابہ کے مصاحف کے بارے میں یہ آتا ہے کہ ان میں سورتوں کی ترتیب میں کچھ فرق تھا۔ مثلاً حضرت ابن مسعود کے مصحف میں سورۂ نساء آل عمران سے پہلے تھی۔ بعض روایات میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہ نقل ہوا ہے کہ آپ نے تہجد میں تلاوت کرتے ہوئے سورۂ نساء پہلے اور آل عمران اس کے بعد پڑھی، لیکن اس کا تعلق تو تلاوت سے ہے اور تلاوت میں ترتیب سے سورتیں پڑھنا ضروری نہیں۔ حضرت عائشہ سے کوئی شخص یہ پوچھنے کے لیے آیا کہ آپ مجھے قرآن کی سورتوں کی ترتیب لکھوا دیں تاکہ میں اسے اسی ترتیب سے پڑھا کروں تو انھوں نے فرمایا کہ تلاوت میں ترتیب کو ملحوظ رکھنا ضروری نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو لوگ قرآن کی سورتوں کو کسی ترتیب کے بغیر ہی پڑھا کرتے تھے، اس لیے تم جہاں سے چاہو، پڑھ لیا کرو (بخاری، رقم 4993)۔

مطیع سید: لیکن اس وقت تو ایک ترتیب پوری امت میں رائج ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر یہ اجتہادی چیز تھی اور صحابہ نے بعد میں سورتوں کو ترتیب دیا تو اس اتفاق کی کیا وجہ ہے؟

عمار ناصر: اس کی وجہ تو مصحف عثمانی پر امت کا متفق ہو جانا ہے۔ جیسے آپ دیکھیں، صحابہ میں مختلف قراءتیں رائج تھیں۔ بعض صحابہ کے مصاحف میں کچھ سورتوں کے کم یا زیادہ ہونے کا ذکر بھی ملتا ہے، لیکن جب حضرت عثمان کے اقدام سے ایک مصحف پر امت کا عمومی اتفاق ہو گیا تو پھر جو ترتیب اس میں اختیار کی گئی، اس پر بھی اتفاق ہو گیا۔ شاید حضرت عثمان نے جو کوشش کی، اس میں یہ بھی ملحوظ ہو گا کہ اگر بعض لوگوں کے ہاں سورتوں کی ترتیب کا کوئی مسئلہ ہے اور سورتیں ترتیب میں آگے پیچھے ہیں تو اس کو بھی ہم طے کر دیں۔ اب تو ہمارے پاس اصل میں قراءت کے لحاظ سے بھی اور سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے بھی مصحفِ عثمانی ہی ہے جس پر امت متفق ہے۔

مطیع سید: فراہی مکتبِ فکر کے ہاں تو نظم کی پوری عمارت اسی ترتیب پر کھڑی کی جاتی ہے۔ کیا اس پر سوال نہیں کھڑا ہو جاتا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ترتیب قائم ہی نہیں کی تو آپ اس میں نظم کس بنیاد پر تلاش کرتے ہیں؟

عمار ناصر: مکتب فراہی کا نظریہ تو دراصل اس موقف پر مبنی ہے کہ قرآن کی سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی قرآن کی تمام سورتوں کو موجودہ ترتیب کے ساتھ مرتب فرما دیا تھا۔ وہ ترتیب کو اجتہادی نہیں مانتے۔ مکتب فراہی سے پہلے بھی علما کی ایک جماعت کا یہی نقطۂ نظر رہا ہے۔ یہ حضرات ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی سورتوں کی موجودہ ترتیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی معروف تھی۔ مثلاً قرآن کی سورتوں کو چار بڑے گروپس، یعنی سبع طوال، مئین، مثانی اور مفصل میں تقسیم کیا جاتا تھا اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا (مسند احمد، رقم 16675)۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قرآن کی پہلی سات سورتیں سیکھ لے، وہ ایک بڑا عالم ہے (مسند احمد، رقم 24009)۔ اسی طرح صحابہ کے حوالے سے روایات میں آتا ہے کہ انھوں نے ہفتے میں پورے قرآن کی تلاوت مکمل کرنے کے لیے قرآن کی سورتوں کو مختلف گروپس میں تقسیم کیا ہوا تھا اور ہر روز ایک گروپ کی تلاوت کیا کرتے تھے (مسند احمد، رقم 15865)۔

فراہی مکتب فکر تو خاص طور پر قرآن کی جمع و ترتیب کے حوالے سے ایک اہم استدلال خود

قرآن کے اندر سے پیش کرتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامہ میں قرآن کے نزول اور اس کی جمع وتدوین کے متعلق اپنی پوری اسکیم بیان فرمائی ہے۔ مولانا فراہی کہتے ہیں کہ 'اِنَّ عَلَینَا جَمعَہ وَقُراٰنَہ' (76:17-18) کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے متن کو جمع اور مرتب کرنا بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا ہے۔ اس کی رو سے قرآن کے متن کی جمع وترتیب کے تمام مراحل کا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مکمل ہونا ضروری تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کی زندگی کے آخری رمضان میں دو مرتبہ آپ کو قرآن جس ترتیب کے مطابق پڑھ کر سنایا، وہی قرآن کا حتمی متن تھا اور اللہ کی ہدایت کے مطابق آپ قرآن کے متن کو بالکل مرتب صورت میں صحابہ کے سپرد کر کے دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔

مطیع سید: حضرت عثمان کی اس روایت کا پھر وہ کیا جواب دیتے ہیں؟

عمار ناصر: فراہی مکتب فکر کے نزدیک تو یہ بس ایک روایت ہے جس کو وہ قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے رد کر دیتے ہیں۔ دوسرے اہل علم بھی مختلف حوالوں سے اس روایت پر تنقید کرتے ہیں۔ مثلاً امام طحاوی اور قاضی ابو بکر الباقلانی کہتے ہیں کہ سورۂ انفال اور سورۂ براءت کا الگ الگ سورتیں ہونا تو ان کے ناموں سے ہی واضح ہے۔ پھر دونوں کے زمانۂ نزول میں سات آٹھ سال کا فرق ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ بات ہی مشتبہ رہ گئی ہو کہ یہ دو سورتیں ہیں یا ایک سورت ہے۔ جدید دور میں استاذ احمد محمد شاکر اور علامہ البانی جیسے علماے حدیث نے سند کے حوالے سے بھی اس پر تنقید کی ہے۔

[باقی]

نعیم احمد بلوچ

حیاتِ امین

(سوانح مولانا امین احسن اصلاحی)

(33)

[صاحب ''تدبر قرآن'' کی وصیت کے مطابق
ان کے سوانح نگار نعیم احمد بلوچ کے قلم سے]

''اسرار نامہ'' کی اشاعت کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے زبانی اور تحریری، دونوں طرح سے اس پر احتجاج کیا۔ ماہنامہ ''میثاق'' میں جوابی مضامین لکھے۔ شیخ جمیل الرحمان نے ''اظہارِ حقیقت'' کے عنوان سے ایک مستقل کتاب بھی تحریر کی۔ اس میں اس سارے واقعے کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمد سمیت دوسرے کئی احباب کے خطوط اور مضامین بھی شامل تھے۔

ان مضامین اور وضاحتوں میں ان غلط فہمیوں کا تذکرہ ہے جو بہ قول شیخ جمیل الرحمان حلقۂ تدبر قرآن کے رفقا کو ہوئیں۔ انھوں نے بجا طور پر بعض تبصروں پر اظہار تاسف کیا جو ''اسرار نامہ'' میں موجود تھے اور قابلِ گرفت تھے۔ البتہ وہ ڈاکٹر صاحب کی طرف سے ان غیر محتاط جملوں کا خاطر خواہ دفاع نہ کر سکے جو مولانا اصلاحی کے لیے پریشانی کا باعث تھے۔ ان کے لیے ایسا کرنا ممکن بھی نہ تھا کیونکہ ڈاکٹر صاحب اس طرح کے جملوں پر مولانا سے معذرت کر چکے تھے۔ ان ساری تلخیوں کے باوجود اتنا تعلق برقرار رہا کہ ''انجمن خدامُ القرآن'' سے ''تدبرِ قرآن''

سمیت مولانا کی تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہا۔ یعنی ''اسرار نامہ'' اصل میں مولانا اصلاحی کی طرف سے اظہار براءت تھا، جب کہ ''تنظیم اسلامی'' اور ڈاکٹر صاحب کی طرف سے احتجاج اور معذرت خواہانہ رویے کے ساتھ ساتھ تعلقات کو برقرار رکھنے کی خواہش بھی موجود رہی۔ اس خواہش پر مولانا اور ان کے حلقے ''تدبرِ قرآن'' کی طرف سے مکمل طور پر خاموشی اختیار کی گئی۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی طرف سے اظہارِ لاتعلقی کا اعلان

جولائی 1982ء میں ایک ایسا موڑ آیا کہ ڈاکٹر صاحب کی طرف سے بھی بڑے جارحانہ طریقے سے مولانا کے فکر اور ان کے رفقا سے سخت بے زاری کے بعد اعلانِ لاتعلقی کر دیا گیا۔

اس واقعے کا پس منظر یہ ہے کہ 21/ مارچ 1981ء کو حضور بخش بنام وفاقِ پاکستان نامی ایک مقدمے میں وفاقی شرعی عدالت نے ایک فیصلہ دیا۔

اس فیصلے میں عدالت نے زنا آرڈیننس 1979ء کی دفعات 5 اور 6 میں رجم بہ طور حد کو اسلامی شرعی احکام سے متصادم قرار دیا اور کہا کہ زنا کی حد، محصن اور غیر محصن، دونوں کے لیے سو (100) کوڑے ہے۔ یہ موقف مولانا اصلاحی کی اس رائے کے مطابق تھا جو انھوں نے سورۂ نور میں بیان کی تھی۔ ان کے موقف کا خلاصہ یہ تھا قرآن نے زنا کی سزا سو کوڑے بیان کی ہے۔ اس میں محصن اور غیر محصن کی کوئی تفریق نہیں۔ ایسی تفریق کرنا روایات کو قرآن پر حکم ماننے کے مترادف ہے۔ ''تدبر قرآن'' میں سورۂ نور کی تفسیر میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کے بعد مولانا نے اپنا موقف ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ''قرآن کی کوئی آیت قرآن کے سوا کسی دوسری چیز سے منسوخ نہیں ہوئی ہے اور یہ ناسخ و منسوخ، دونوں قرآن میں موجود ہیں۔ منسوخ ہونا تو الگ رہا، اگر کسی آیت کی تحدید و تخصیص بھی ہوئی ہے تو اس کے قرائن و اشارات یا تو آیت کے سیاق و سباق اور اس کے موقع و محل میں مضمر ہیں یا خود قرآن کے دوسرے مقامات میں موجود ہیں۔
>
> اس روشنی میں اگر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کی تاویل کیجیے تو اس کا بھی ایک موقع و محل نکل آتا ہے۔ وہ یوں کہ اس میں جو حرف 'و' ہے اس کو جمع کے بجاے تقسیم کے مفہوم میں لیجیے، یعنی کوئی زانی کنوارا ہو یا شادی شدہ، دونوں کی اصل سزا تو جَلد (تازیانہ) ہی

ہے، لیکن اگر کوئی کنوارا تازیانہ کی سزا سے قابو میں نہیں آ رہا ہے تو حکومت اس کو، اگر مصلحت دیکھے، مائدہ کی مذکورہ بالا آیت کے تحت جلاوطنی کی سزا بھی دے سکتی ہے اس لیے کہ اس آیت میں 'نفی' (جلاوطنی) کا اختیار بھی حکومت کو دیا گیا ہے۔ اسی طرح شادی شدہ زانی کی اصل سزا، جیسا کہ روایت سے واضح ہے، ہے تو تازیانہ ہی لیکن اگر کوئی شخص تازیانہ کی سزا سے قابو میں نہیں آ رہا ہے اور معاشرے کے لیے ایک خطرہ بن چکا ہے تو اس کو حکومت 'تقتیل' یعنی رجم کی سزا از روے سورۂ مائدہ (آیات 33-34) دینے کا اختیار رکھتی ہے۔" (5/374)

عدالتی فیصلے میں ان کی رائے کا حوالہ بھی دیا گیا تھا۔

یہ رائے جمہور علما کی اس رائے کے خلاف تھی جس میں محصن کی سزا رجم اور غیر محصن کی سزا کوڑے بیان کی جاتی ہے۔ اس پر علما کی طرف سے شدید احتجاج کیا گیا۔ علما کے نزدیک ایسا کرنا سنت، یعنی رجم کی سزا کا انکار ہے۔ یہ صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے۔ حکومت نے عوامی دباؤ کی وجہ سے اس فیصلے کو ختم کرنا چاہا۔ چنانچہ وفاقی حکومت نے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی، سپریم کورٹ نے اس فیصلے کے نفاذ کو روک دیا۔ پھر آئینی ترمیم کے ذریعے سے وفاقی شرعی عدالت کو اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کا اختیار دیا گیا اور حکومت نے اسی عدالت میں نظر ثانی کی درخواست دی۔ سپریم کورٹ نے اپیل کو ملتوی کر کے شرعی عدالت کو نظر ثانی سننے دی، اور بالآخر 1983ء میں وفاقی شرعی عدالت نے اپنے پہلے فیصلے کو بدل دیا اور رجم کو زانی محصن کی حد تسلیم کر لیا۔ یہ ترتیب خود وفاقی شرعی عدالت کے بعد کے تحقیقی نوٹ میں درج ہے۔

جب علما کی طرف سے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے پر احتجاج ہو رہا تھا، اس وقت پورے ملک میں مولانا اصلاحی کے خلاف تنقید و تنقیص کی مہم شروع ہو گئی۔ پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے علما مولانا اصلاحی کے خلاف متحد تھے۔ اس میں ڈاکٹر اسرار بھی شامل ہو گئے۔ مولانا اصلاحی کی طرف سے ان کے شاگرد جناب جاوید احمد صاحب غامدی نے ان تنقیدات کا جواب دیا۔ اس قلمی محاذ پر غامدی صاحب نے تن تنہا ہر سنجیدہ تنقید کا جواب دیا۔[1] ان علمی مباحث میں غامدی صاحب کا موقف اس قدر موثر اور کامیاب تھا کہ یہ واضح ہو گیا کہ فکر فراہی کی نمایندگی مولانا امین احسن

[1] یہ بحث غامدی صاحب کی کتاب "برہان" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

کے بعد ان کے انھی ہونہار شاگرد کو منتقل ہونے والی ہے۔ اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:

''مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے ساتھ میرا ایک تعلق بہت طویل عرصے تک رہا ہے کہ میں ہی ان کا سپوکس مین اور پبلشر رہا۔ ''میثاق'' بھی شائع کیا اور تفسیر ''تدبرِ قرآن'' بھی۔ پھر لاہور میں اجتماعات بھی منعقد کروائے۔ اس کے بعد اب ان کی طرف سے حدِّ رجم کے بارے میں جو موقف سامنے آیا ہے تو اس سے اسی زور شور سے اعلانِ براءت بھی کرنا ضروری ہے۔

... یقیناً مولانا کا مقام اپنا ہے لیکن اس (تفسیر) کو چھاپ کر متعارف کرانے میں میرا بھی حصّہ ہے، لہٰذا میں نے اس سے اعلانِ براءت کیا اور کہا کہ میں کم از کم اس معاملے میں مولانا اصلاحی صاحب کو اب منکرینِ سنت کی صف میں سمجھتا ہوں۔ یہ ایک مجمع علیہ شے ہے اور اس سے ہٹ جانا یقیناً بہت بڑی گم راہی ہے۔'' (بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا انجمن کے سالانہ اجلاس منعقدہ 1984ء کے موقع پر صدارتی خطاب)

ڈاکٹر صاحب نے جناب جاوید احمد صاحب غامدی کے مولانا اصلاحی کے موقف کے دفاع کو بھی موضوع بنایا اور اسے اپنی کتاب ''جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی'' کے دیباچے میں یوں بیان کیا:

''انھی دنوں لاہور میں ایک ایسی نوجوان شخصیت ابھر کر سامنے آئی جس نے مولانا امین احسن اصلاحی کو اپنا ''استاد'' قرار دے کر، حد رجم کے ضمن میں جہاں مولانا اصلاحی کی رائے کی انتہا ہوئی تھی، وہاں سے آغاز فرماتے ہوئے شریعتِ اسلامی کے پورے ڈھانچے کو درہم برہم اور تہ و بالا کرنے کا بیڑا اٹھالیا۔ اور چونکہ یہ نوجوان زبان و قلم کی استعدادات سے بہ خوبی مسلح تھا، لہٰذا دیکھتے ہی دیکھتے لاہور کے دین پسند نوجوانوں میں اس کا ایک حلقہ اثر پیدا ہو گیا۔ جہاں تک مولانا اصلاحی کا تعلق ہے، رجم کے ضمن میں ان کی عظیم غلطی اور بعض دوسرے معاملات میں ان کے شذوذ کے ساتھ ساتھ ان کی دینی اور علمی خدمات بھی نہایت شان دار ہیں جن کا انکار ممکن نہیں۔ جن میں سرفہرست تو بلاشبہ خدمتِ قرآن کے ضمن میں ان کی عمر بھر کی مساعی ہیں جن کے ذریعے انھوں نے نظمِ قرآن، اسالیبِ قرآن اور تفسیر القرآن بالقرآن کے ضمن میں اپنے استاد و امام مولانا حمید الدین فراہی کے کام کو آگے بڑھایا۔ پھر اسی پر بس نہیں، انھوں نے

شریعت اسلامی کے بعض اہم مسائل، بالخصوص عائلی قوانین کے ضمن میں مغربی رجحانات کی مذمت و مخالفت اور احکام شرعی کی حفاظت و مدافعت کے سلسلے میں جو موثر خدمات سرانجام دیں، ان کا لوہا ہر شخص مانتا ہے۔ چنانچہ، اس کے باوجود کہ بعض دوسرے حوادث و واقعات کی بنا پر مولانا سے راقم الحروف کا ملنا جلنا 1976ء سے بند تھا، اور ''حد رجم'' کے بارے میں ان کی رائے کی بنا پر تو راقم نے 1982ء میں ان کی جملہ تصانیف کا حقِ اشاعت بھی انھیں واپس کر دیا تھا اور ان سے اپنے تعلق کے کامل انقطاع کا اعلان عام بھی کر دیا تھا، (شائع شدہ ''حکمتِ قرآن'' بابت جولائی و اگست 1982ء) تاہم راقم کو یہ اندیشہ نہیں تھا کہ مولانا کی اس غلطی کی بنیاد پر کوئی فتنہ کھڑا ہو سکتا ہے۔ لیکن متذکرہ بالا نوجوان کے طرزِ عمل سے راقم کو یہ تنبہ ہوا کہ ایک عظیم فتنہ شروع ہوا چاہتا ہے جس کی سرکوبی ''گربہ کشتن روز اول'' کے مصداق ابتدا ہی میں لازمی ہے۔ چنانچہ راقم نے اپنی بساط کی حد تک اس کی کوشش کی۔ اور الحمدللہ کہ اس کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوئے۔ اس معاملے میں راقم کے احساسات کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس نوجوان کے ساتھ ربط ضبط بڑھانے اور اس کے ساتھ ایک تنظیمی سلسلے میں منسلک ہو جانے کی بنا پر راقم نے اپنے ایک دیرینہ سرپرست اور تنظیم اسلامی کے حلقۂ مستشارین میں شامل شخصیت مولانا وصی مظہر ندوی سے بھی قطع تعلق کر لیا۔''(8-9)

واقعات کی درست تاریخی ترتیب

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا موقف انھی کے الفاظ میں بیان کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس سارے قضیے میں اپنے فہم کا خلاصہ پیش کریں۔

اول: تحفظات کا اظہار سب سے پہلے مولانا اصلاحی کی طرف سے ہوا۔ اور اس کی وجہ تنظیمی معاملات میں ڈاکٹر صاحب کی رائے تھی۔ مولانا اصلاحی کو ڈاکٹر اسرار صاحب کے تنظیمی منہج، شخصی امارت، بیعت اور انقلابی تحریک کے تصور سے بنیادی اختلاف تھا۔ مولانا اصلاحی ''انجمن خدام القرآن'' کے علمی اور تعلیمی کام میں تعاون کے لیے آمادہ تھے، مگر وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا نام کسی ایسی تنظیمی یا انقلابی تحریک کے لیے استعمال ہو جس کے مزاج، نظم اور طریقۂ کار سے وہ متفق نہ ہوں۔ چنانچہ اس کی وجہ سے مولانا نے 1976ء میں ''قرآن کانفرنس'' میں شرکت نہ کی۔

دوم: اس پر ڈاکٹر صاحب کی طرف سے اظہار ناپسندیدگی ہوا۔ یاد رہے کہ اس وقت تک ''تدبر قرآن'' کی پانچویں جلد شائع ہو چکی تھی جس میں سورۂ نور کی تفسیر میں مولانا رجم کے بارے میں اپنی رائے بیان کر چکے تھے۔ لیکن قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب مولانا کی رائے سے بے خبر ہی رہے۔ پہلے مولانا کی تفسیر ''تدبر قرآن'' ماہنامہ ''میثاق'' میں شائع ہوتی تھی، لیکن مولانا کی ناراضی کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ''اسرار نامہ'' میں جناب خالد مسعود لکھتے ہیں کہ وسط 1974ء میں یہ سلسلہ روک دیا گیا (اسرار نامہ 10)۔ جب کہ شیخ جمیل الرحمان کا اصرار ہے کہ کیونکہ چوتھی جلد شائع ہونے کے قریب تھی اس لیے ''باہمی مشاورت سے طے ہوا کہ اب ''میثاق'' میں ''تدبر قرآن'' کی اشاعت کی چنداں ضرورت نہیں ہے (اظہار حقیقت 93)۔

سوم: ڈاکٹر صاحب کی طرف سے اظہار ناپسندیدگی پر مولانا کی طرف سے 1978ء میں ایک دوورقہ پمفلٹ شائع کیا گیا۔ اس کا جو جواب ڈاکٹر صاحب کی طرف سے دیا گیا اسے ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' قرار دے کر ''اسرار نامہ'' تحریر کیا گیا۔

چہارم: اس پر شدید تنقید و تنقیص کی گئی اور کتاب ''اظہار حقیقت'' سامنے آئی۔ اس سے دونوں طرف سے تعلقات منقطع ہو گئے، لیکن مولانا کی تفسیر ''تدبر قرآن'' اور کتب کی اشاعت اور اس کی فروخت کا سلسلہ جاری رہا۔

پنجم: جب 1882ء میں ڈاکٹر صاحب کو وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کا علم ہوا اور پورے پاکستان میں اس کے خلاف احتجاج شروع ہوا تو انھوں نے بھی اپنا وزن اس احتجاج میں رکھ دیا اور مستقل طور پر قطع تعلق کا اعلان کر دیا۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں ایک اور اہم نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے۔ ڈاکٹر اسرار صاحب اگرچہ مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی کے کام سے متاثر تھے، مگر وہ خود یہ اعتراف کرتے تھے کہ وہ روایتی معنوں میں مستند تحقیقی عالمِ دین نہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد اور دل چسپیوں کا اصل محور اسلامی انقلاب برپا کرنا تھا۔ وہ قرآن کے دعوتی اور فکری پہلوؤں سے ضرور دل چسپی رکھتے تھے، لیکن فراہی مکتب کے اصل تفسیری اصول، یعنی قرآن کو خود قرآن، اس کی زبان، نظم، اسلوب اور ادبی قرائن کی

روشنی میں براہِ راست سمجھنے کا منہج، شاید پوری گہرائی سے ان کے سامنے نہ تھا۔ مولانا اصلاحی کے نزدیک قرآن پر کسی روایت، فقہی اکثریت یا مروجہ مذہبی رائے کو کسی بھی قسم کی برتری حاصل نہیں تھی۔ روایت کی قدر اپنی جگہ، مگر قرآن کی قطعی دلالت کے مقابلے میں وہ کسی خارجی دباؤ کو قبول نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے سورۂ نور کی آیتِ زنا کو براہِ راست قرآنی بیان کی روشنی میں سمجھا اور رجم کو زنا کی عمومی قرآنی حد تسلیم نہیں کیا۔ اور ان کی تفسیر میں ایسے دسیوں مقامات ہیں جن میں ان کی رائے جمہور علما کے مطابق نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو شدت کے ساتھ اس کا علم اس وقت ہوا، جب رجم کا مسئلہ ملکی سطح پر زیر بحث آیا۔

خلاصۂ بحث

اس پورے قضیے کو محض شخصی رنجش، فقہی اختلاف یا وقتی جذبات کا نتیجہ سمجھنا تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں بزرگ اپنے اپنے فکر، منہج اور دینی مقصد کے ساتھ غیر معمولی درجے میں مخلص تھے، مگر ان کا علمی مزاج، اصلاحِ امت کا تصور اور کام کا طریقہ ایک نہیں تھا۔ ”جماعت اسلامی“ سے علیحدگی نے ایک وقت کے لیے انھیں قریب کر دیا، کیونکہ دونوں کے سامنے دینی احیا، قرآن کی طرف رجوع اور امت کی اصلاح کا مشترک مقصد تھا۔ لیکن یہ قربت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی، اس لیے کہ مقصد مشترک ہونے کے باوجود راستہ مختلف تھا۔

مولانا امین احسن اصلاحی کے نزدیک اصل کام فرد کی فکری، اخلاقی اور علمی تطہیر تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ معاشرے کی حقیقی اصلاح انسان کے باطن، فکر، کردار اور قرآن فہمی کی اصلاح سے شروع ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک پہلے ذہن صاف ہو، علم صحیح ہو، دین کو قرآن کی روشنی میں براہِ راست سمجھا جائے، پھر اسی سے فرد بدلے گا، خاندان بدلے گا، معاشرہ بدلے گا اور اجتماعی زندگی میں تبدیلی آئے گی۔ اس کے برعکس، ڈاکٹر اسرار احمد کا مزاج انقلابی اور تحریکی تھا۔ وہ امت کی اجتماعی پستی کا علاج ایک منظم دینی تحریک، امارت، بیعت، نظم، اجتماعی جدوجہد اور بالآخر سیاسی و اجتماعی انقلاب میں دیکھتے تھے۔ ان کے نزدیک فکری اور علمی تطہیر بھی ضروری تھی، مگر وہ اسے انقلاب کی تیاری اور انقلاب کے بعد کے مرحلے سے جوڑ کر دیکھتے تھے۔

یہیں سے دونوں کے راستے جدا ہوئے۔ مولانا اصلاحی کو جب یہ محسوس ہوا کہ ڈاکٹر صاحب

قرآن کی تعلیم و تعلم کے دائرے سے آگے بڑھ کر ایک انقلابی تنظیمی تحریک کی طرف جا رہے ہیں، جس میں شخصی امارت، بیعت اور سیاسی انقلاب کا تصور مرکزی حیثیت اختیار کر رہا ہے تو انھوں نے اپنے آپ کو اس راستے سے الگ کر لیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا نام یا ان کا علمی وقار کسی ایسی تحریک کے لیے استعمال ہو جس کے منہج سے وہ بنیادی طور پر متفق نہ تھے۔ دوسری طرف ڈاکٹر اسرار احمد نے بھی بہ تدریج یہ محسوس کیا کہ مولانا اصلاحی کا علمی و تدبری منہج ان کے مطلوبہ انقلابی نصب العین کے لیے مناسب ہی نہیں، بلکہ ایک رکاوٹ ہے۔ چنانچہ انھوں نے بھی اپنی منزل الگ کر لی۔

اس پس منظر میں رجم کا مسئلہ اصل اختلاف کی ابتدا نہیں، بلکہ پہلے سے موجود فکری اور تنظیمی فاصلے کا علانیہ اظہار بن گیا۔ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے اور اس کے بعد پیدا ہونے والے عوامی و مذہبی ردِ عمل نے ڈاکٹر اسرار احمد کو موقع دیا کہ وہ مولانا اصلاحی سے اپنی براءت کو کھل کر بیان کریں۔ مگر تاریخی ترتیب بتاتی ہے کہ دونوں کے درمیان جدائی کی بنیاد اس سے پہلے رکھی جا چکی تھی۔ اصل فرق یہ تھا کہ مولانا اصلاحی اصلاح کو علم، فکر، قرآن فہمی اور فرد کے باطنی انقلاب سے شروع کرتے تھے، جب کہ ڈاکٹر اسرار احمد اسے منظم جماعت، امارت، بیعت اور اجتماعی انقلاب کے راستے سے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ دونوں اپنی جگہ مخلص تھے، مگر دونوں کی منزل تک پہنچنے کا راستہ ایک نہیں تھا۔ یہی فرق بالآخر علمی قربت کو عملی جدائی میں بدل گیا۔

[باقی]

شاہد محمود

خبر نامہ ”المورد امریکہ“

[جون 2026ء]

غامدی صاحب کے نایاب علمی مباحث

غامدی سینٹر نے جاوید احمد غامدی صاحب کے فکری و علمی سفر کے ابتدائی مراحل کو محفوظ کرنے اور انھیں اہلِ ذوق تک پہنچانے کے لیے ایک اہم علمی و تکنیکی کاوش کا آغاز کیا ہے۔ اس منصوبے کے تحت غامدی صاحب کی کم و بیش چالیس سال سے زائد پرانی نایاب آڈیوز کو، جو قدیم کیسٹس میں موجود تھیں، جدید ڈیجیٹل صورت میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ ان قدیم آڈیو ریکارڈنگز کی آواز کو جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے صاف اور واضح کیا گیا ہے تاکہ سننے والوں کے لیے سماعت میں آسانی ہو۔ ان آڈیوز میں غامدی صاحب کے ابتدائی دور کے گراں قدر علمی مباحث موجود ہیں، جن کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر سنا جا سکتا ہے۔

”عملیت پسندی بہ مقابلہ نظریہ پسندی“

گذشتہ ماہ جاوید احمد غامدی صاحب نے ممتاز یوٹیوبر فیصل وڑائچ صاحب کے ساتھ ایک پوڈ کاسٹ ریکارڈ کرایا، جس میں انھوں نے ”عملیت پسندی بہ مقابلہ نظریہ پسندی“ (Practicality vs Ideology) کے موضوع پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے واضح کیا کہ بین الاقوامی اور قومی سطح پر

حکمتِ عملی کے فیصلے جذباتی جبلتوں کے بجاے علم و عقل کی روشنی میں بروقت کیے جانے چاہییں۔ انھوں نے مسئلۂ فلسطین، قیامِ اسرائیل اور ایران کے فکری و سیاسی انقلاب کے تناظر میں روایتی بیانیوں پر نقد کرتے ہوئے زور دیا کہ مسلمانوں کو جنگ سے حتی المقدور بچتے ہوئے اپنی اندرونی علمی، اخلاقی اور اقتصادی تعمیر پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔ اس پوڈکاسٹ کی ریکارڈنگ کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ جاسکتا ہے۔

''اسلام کا شعوری مطالعہ''

''غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ'' نے اپنے طور پر دین کا گہرا فہم حاصل کرنے کے خواہش مند افراد کے لیے ''اسلام کا شعوری مطالعہ'' کے نام سے ایک منظم علمی سفر کا آغاز کیا ہے۔ تین اہم درجات پر مشتمل اس پروگرام میں اسلام کی بنیاد و عملی تقاضے، مکمل نظامِ فکر و استدلال اور مختلف تعبیرات کا تقابلی تجزیہ شامل ہے تاکہ شرکا شعوری بنیادوں پر اپنے علم کو مستحکم کر سکیں۔ کورس میں دل چسپی رکھنے والے حضرات مزید تفصیلات اور رجسٹریشن کے لیے غامدی سینٹر کی ویب سائٹ پر رجوع کر سکتے ہیں۔

فکر غامدی کی تفہیم پر مبنی کتب کا مفت اجرا

''غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ'' نے پاکستان بھر میں علمی و فکری دل چسپی رکھنے والے طلبہ اور اساتذہ کے لیے ایک شان دار تعلیمی منصوبے کا اعلان کیا ہے، جس کے تحت فکرِ غامدی کی تفہیم پر مبنی کتب کا مکمل سیٹ بلا معاوضہ فراہم کیا جارہا ہے۔ منصوبے کے پہلے مرحلے میں ملک بھر سے منتخب کردہ 180 طلبہ، اساتذہ اور محققین کو یہ کتب ارسال کر دی گئی ہیں۔ اس اسکیم کے لیے کم و بیش دس ہزار کے قریب درخواستیں موصول ہوئی تھیں، چنانچہ بجٹ کی حد کے باعث جن درخواست گزاروں کو ہارڈ کاپی موصول نہیں ہو سکی، انھیں ای میل کے ذریعے سے تمام کتب کا پی ڈی ایف فولڈر لنک فراہم کیا جارہا ہے تاکہ وہ اپنے علمی ذوق کی تسکین کر سکیں۔

''غامدی فکر: زوال یا احیا؟''

مئی 2026ء میں محمد حسن الیاس صاحب نے معروف پوڈکاسٹر باسط ندیم صاحب کے ساتھ ایک پوڈکاسٹ میں شرکت کی، جس میں انھوں نے ''غامدی فکر: زوال یا احیا؟'' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے واضح کیا کہ تاریخ میں جب بھی روایتی افکار کی تجدید یا علمی بازیافت کی کوشش کی گئی، اسے معاشرتی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے انسانی جبلت اور روایتی تصورات کے ارتقا پر روشنی ڈالتے ہوئے زور دیا کہ فکری تجدید اور جدید سائنسی و کائناتی چیلنجز کا سامنا کر کے ہی دین کی اصل روح کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ اس پوڈکاسٹ کی ریکارڈنگ کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جا سکتا ہے۔

ہفتہ وار درسِ قرآن و حدیث

مئی 2026ء میں غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جاری غامدی صاحب کے لائیو درسِ قرآن و حدیث کی نشستوں میں غامدی صاحب نے سورۂ فرقان کی آیات 69 تا 77 اور سورۂ شعراء کی آیات 1 تا 115 کا درس دیا، جب کہ درس حدیث کی نشستوں میں زیر بحث آنے والے چند اہم نکات یہ ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ''، ''نماز کے لازمی اور اختیاری اعمال کا بیان'' اور ''قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ''۔ قرآن و حدیث کے دروس کی ان نشستوں کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جا سکتا ہے۔

''افکارِ غامدی''

''افکارِ غامدی'' سید منظور الحسن صاحب کا ہفتہ وار یوٹیوب پروگرام ہے، جس میں وہ غامدی صاحب کے نظریات کو عام فہم انداز میں بیان کرتے ہیں۔ مئی 2026ء کی نشستوں میں جن اہم موضوعات پر گفتگو کی گئی، ان میں ''اجتہادی کام کے بارے میں چند بڑی غلط فہمیاں''، ''اجتہاد کی قبولیت میں فیصلے کا اختیار کس کے پاس ہے؟'' اور ''اجتہاد کون کر سکتا ہے؟'' قابل ذکر ہیں۔ ان پروگراموں کی ریکارڈنگ کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''اسلامی سوالات اور ان کے جوابات''

مئی 2026ء میں غامدی سینٹر کے ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کمیونیکیشن محمد حسن الیاس صاحب نے معروف پوڈکاسٹر شہزاد غیاث صاحب کے ساتھ ایک پروگرام ریکارڈ کرایا، جس میں انھوں نے لوگوں کی جانب سے پوچھے جانے والے مختلف دینی، فکری اور اخلاقی سوالات کے تفصیلی جواب دیے۔ اس نشست میں پوچھے جانے والے چند اہم سوالات یہ ہیں: تمام پیغمبر مشرقِ وسطیٰ ہی میں کیوں آئے؟ کیا عورت حکمران ہو سکتی ہے؟ اگر کوئی اسلامی احکام پر پوری طرح عمل نہ کر سکے تو کیا کرے؟ کیا کتے والے گھر میں فرشتے نہیں آتے؟ اور بچوں کی فکری تربیت کیسے کریں؟ اس پروگرام کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

''استفسار: ڈاکٹر عمار خان ناصر کے ساتھ''

''استفسار: ڈاکٹر عمار خان ناصر کے ساتھ'' غامدی سینٹر کے اسکالر ڈاکٹر عمار خان ناصر کا سوال و جواب پر مبنی پروگرام ہے، جس میں وہ لوگوں کی طرف سے موصول ہونے والے سوالات کے جواب دیتے ہیں۔ مئی 2026ء کی نشستوں میں زیر بحث آنے والے چند اہم سوالات یہ ہیں: شورائیت اور جمہوریت میں کیا فرق ہے؟ اخفاے زینت سے کیا مراد ہے؟ کیا مسئلۂ عول پر غامدی صاحب کی راے ٹھیک ہے؟ اور کیا جمعے کا منبر ارباب حکومت کے لیے خاص ہے؟ ان نشستوں کی ریکارڈنگ کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

Ask Ghamidi

غامدی صاحب سے براہِ راست دینی و اخلاقی موضوعات پر رہنمائی حاصل کرنے کے لیے غامدی سینٹر کے زیرِ اہتمام ہر ماہ ایک آن لائن نشست منعقد کی جاتی ہے۔ اس نشست کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے ذہنوں میں پیدا ہونے والے سوالوں کے جواب براہ راست غامدی صاحب سے حاصل کر سکیں۔ مئی 2026ء کی نشست میں پوچھے جانے والے چند اہم سوالات یہ ہیں: کیا معاویہ رضی اللہ عنہ خلفاے راشدین میں سے ہیں؟ کیا اسمگلنگ کی کمائی حرام ہے؟ کیا

جمہوریت اسلام کا سیاسی ماڈل ہے؟ اور کیا انبیا گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں؟ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

''حق تلفی کی حرمت''

سید منظور الحسن صاحب نے اپنے اس مضمون میں قرآنی آیات کی روشنی میں 'حق تلفی' کی حقیقت اور اس کی حرمت پر بحث کی ہے۔ انھوں نے واضح کیا ہے کہ انسان کے پیدایشی، شرعی اور باہمی معاہدوں سے قائم ہونے والے حقوق کو غصب کرنا سخت گناہ اور اللہ کی نافرمانی ہے۔ مضمون میں بتایا گیا ہے کہ ناپ تول میں کمی، قطع رحمی اور جھوٹی گواہی جیسی برائیاں حق تلفی کی واضح صورتیں ہیں۔ یہ مضمون ماہنامہ ''اشراق'' امریکہ کے گذشتہ ماہ کے شمارے میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''مجدد اور متجدّد کا فرق''

محمد حسن الیاس صاحب نے اپنے اس مضمون میں 'مجدد' اور 'متجدّد' کے درمیان پائے جانے والے اہم لغوی اور فکری فرق پر بحث کی ہے۔ انھوں نے واضح کیا ہے کہ متجدّد زمانے کے مطابق دین کی اصل ساخت کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے جو کہ ایک فکری انحراف ہے، جب کہ مجدد بدعات کا خاتمہ کر کے دین کو اس کی اصل روح کے ساتھ دوبارہ زندہ کرتا ہے۔ مضمون میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی پر متجدّد کا الزام لگانا یا علمی اختلاف پر گم راہی کا فتویٰ دینا ایک سنگین دینی معاملہ ہے۔ یہ مضمون ماہنامہ ''اشراق'' امریکہ کے مئی 2026ء کے شمارے میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''تفہیم الآثار'' سیریز

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام ''تفہیم الآثار'' کے عنوان سے نشر ہونے والے پروگرام میں صحابہ و تابعین کے آثار کی شرح و وضاحت اور منتخب آثار پر مبنی سوال و جواب کی نشستیں ریکارڈ کی جا رہی ہیں۔ اس پروگرام کی میزبانی کے فرائض ڈاکٹر سید مطیع الرحمٰن سرانجام دے رہے ہیں، جب کہ

ڈاکٹر عمار خان ناصر اس میں بہ طورِ مہمان شریک ہیں۔ مئی 2026ء میں اس سیریز کے تحت منعقد ہونے والی نشستوں میں ''ام المومنین سیدہ عائشہ کا فہم قرآن'' اور ''حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فہم قرآن'' کے موضوعات کو زیر بحث لایا گیا۔ ان پروگراموں کی ریکارڈنگ کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جا سکتا ہے۔

''سوال و جواب حسن الیاس کے ساتھ''

مئی 2026ء میں معروف یوٹیوب چینل ''مسلم ٹوڈے'' پر محمد حسن الیاس صاحب کے جاری پروگرام ''Ask Hassan Ilyas'' میں زیر بحث آنے والے چند اہم سوال یہ ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم پر عذاب کب آیا تھا؟ دوسروں پر طعن و تشنیع کرنے والوں کے ساتھ آخرت میں کیا معاملہ ہو گا؟ غامدی صاحب کے نزدیک مہدی کون ہے؟ اور کیا طالبان کا اسلام، اسلام نہیں ہے؟ اس پروگرام کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

''اخلاق اور اخلاقیات''

جدید تعلیم یافتہ طبقے کو جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار اور ان کی معرکہ آرا کتاب ''میزان'' کے مباحث سے متعارف کرانے کے لیے شہزاد سلیم صاحب کی علمی نشستوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے مئی 2026ء میں ''اخلاق اور اخلاقیات'' کے موضوع پر دو لیکچرز ریکارڈ کیے گئے ہیں۔ ان لیکچرز کی ریکارڈنگ کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

غامدی سینٹر کی آن لائن خانقاہ

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام ہفتہ وار ''آن لائن خانقاہ'' کے نام سے تربیتی نشست کا سلسلہ جاری ہے۔ اس نشست کا مقصد انسانی نفس کی اصلاح اور اخلاقی تربیت ہے۔ اس پروگرام میں معزامجد صاحب اصلاحِ نفس کے ساتھ ساتھ شرکا کے سوالات کے تسلی بخش جوابات بھی دیتے ہیں۔ گذشتہ ماہ کی نشستوں میں پوچھے جانے والے چند اہم سوالات یہ ہیں: موڈ ڈس آرڈر (mood

disorder) سے کیسے نمٹیں؟ شعور پر انسان کا زیادہ اختیار ہے یا ماحول کا؟ کیا ہر انسان کی اچھائی اور برائی کا معیار الگ ہے؟ اور کیا ضمیر پہلے ہے یا مذہبی رہنمائی؟ آن لائن خانقاہ کی ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جا سکتی ہے۔

''اسلام اسٹڈی سرکل''

شہزاد سلیم صاحب ''اسلام اسٹڈی سرکل'' کے عنوان سے ہر ماہ ایک سیشن کا انعقاد کرتے ہیں۔ اس میں وہ مختلف دینی، اخلاقی اور سماجی موضوعات پر قرآن و حدیث کی روشنی میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ سیشن تین حصوں پر مشتمل ہے: پہلے حصے میں قرآن مجید کی آیات سے ایک موضوع منتخب کر کے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ دوسرے حصے میں منتخب احادیث نبوی پر گفتگو ہوتی ہے۔ تیسرے حصے میں بائیبل کے کسی اقتباس کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ پروگرام کے آخر میں موضوع سے متعلق سوالوں کے جواب بھی دیے جاتے ہیں۔ اس سیشن کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

23 اعتراضات سیریز کا انگریزی زبان میں خلاصہ

شہزاد سلیم صاحب 23 اعتراضات کی ویڈیو سیریز میں اب تک کے زیر بحث آنے والے تمام موضوعات کا انگریزی زبان میں خلاصہ بیان کر رہے ہیں۔ گذشتہ ماہ شہزاد سلیم صاحب نے 23 اعتراضات کی سیریز میں زیر بحث آنے والے موضوع ''قراءت کا اختلاف'' کا خلاصہ بیان کیا۔ ان نشستوں کا مقصد اب تک ہونے والی طویل گفتگو کو مختصر اور جامع صورت میں انگریزی داں طبقے تک پہنچانا ہے۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

''علم و حکمت: غامدی کے ساتھ''

''علم و حکمت: غامدی کے ساتھ'' دنیا نیوز چینل پاکستان کا ایک معروف پروگرام ہے، جو کئی برس سے نشر ہو رہا ہے۔ یہ ڈیلس میں ریکارڈ ہوتا ہے اور ہفتہ وار نشر ہوتا ہے۔ میزبانی کے فرائض

غامدی سینٹر کے ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کمیونیکیشن حسن الیاس صاحب انجام دیتے ہیں۔ مئی 2026ء میں نشر ہونے والے پروگراموں میں زیر بحث آنے والے چند اہم سوالات یہ ہیں: دنیا میں اجنبی کی طرح زندگی گزارنے سے کیا مراد ہے؟ دشمن کے ساتھ انصاف کیسے کیا جا سکتا ہے؟ ایک موقع پر مشرکین کو مسجد حرام میں آنے سے روکنے کی کیا وجہ تھی؟ اور کیا دو ملکوں میں صلح کرانے کے لیے حقائق میں رد و بدل کیا جا سکتا ہے؟ ان پروگراموں کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جا سکتی ہے۔

شہزاد سلیم صاحب کے آن لائن نجی مشاورتی سیشن

سماجی و خاندانی مسائل کے حل کے لیے شہزاد سلیم صاحب کے آن لائن مشاورتی سیشنز کا سلسلہ جاری ہے۔ گذشتہ ماہ منعقد ہونے والے 40 سے زائد سیشنز میں والدین کی مشکلات اور نوجوان نسل کی نفسیاتی و تربیتی الجھنوں کے حل سے متعلق گفتگو کی گئی۔ یہ نشستیں ان افراد کے لیے ایک اہم ذریعہ ثابت ہو رہی ہیں، جو اپنے نجی معاملات میں شرعی اور اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے مخلصانہ مشورہ چاہتے ہیں۔

دینی آرا پر مبنی فتاویٰ کا اجرا

''غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ'' شرعی مسائل کے قانونی اطلاقات کے حوالے سے دنیا بھر میں بسنے والے مسلمانوں کی رہنمائی کا اہم مرکز بن چکا ہے۔ گذشتہ ماہ نکاح و طلاق، وراثت اور مختلف معاشی و معاشرتی معاملات سے متعلق متعدد فتاویٰ جاری کیے گئے۔ جناب جاوید احمد غامدی کے فکر کی روشنی میں یہ فتاویٰ محمد حسن الیاس صاحب نے مرتب کیے۔ واضح رہے کہ فتویٰ ایک دینی رائے کا نام ہے، یہ کوئی قانونی حکم نامہ یا عدالتی فیصلہ نہیں ہوتا۔

''البیان'' کی انگریزی زبان میں تدریس

شہزاد سلیم صاحب نے غامدی صاحب کی تفسیر ''البیان'' کی انگریزی زبان میں تدریس کا سلسلہ

جاری رکھتے ہوئے مئی 2026ء میں سورۂ انفال کی آیات 42 تا 75 اور سورۂ توبہ کی آیات 1 تا 12 کا درس دیا۔ اس تدریسی کاوش کا بنیادی مقصد عالمی سطح پر انگریزی داں اہلِ علم کو قرآن مجید کے اس جدید اور منفرد فہم سے براہِ راست مستفید ہونے کا موقع فراہم کرنا ہے۔ ان تمام دروس کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔